صلوٰة العیدین

سال بھر میں دو دنوں کے روزے حرام ہیں: ایک عید الفطر دوسرے عید الاضحیٰ (بقر عید) کا۔ عیدین کی نماز سنت ہے اس کے واسطے اذان و تکبیر کچھ نہیں۔ نہ اس کے آگے پیچھے کوئی نفل وغیرہ ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کھلے میدان میں نماز عید ادا فرمایا کرتے تھے۔ مسجدوں میں عید کی نماز پڑھنا خلافِ سنت ہے۔ عید الفطر کے دن کچھ کھانا کھا کر نکلنا اور عید الاضحیٰ میں میدانِ عید سے واپس آ کر قربانی سے کھانا مسنون ہے۔ آمد و رفت میں راستہ بدلنا سنت ہے۔ عیدین میں تکبیریں کہنا چاہیے:

الله اكبر كبيرا، والحمد لله كثيرا، وسبحان الله بكرة واصيلا. کہے یا الله اكبر، الله اكبر، لا اله الا الله والله اكبر الله اكبر ولله الحمد کہے۔

نمازعید کی ترکیب

عیدین کی نمازوں کا بارہ تکبیروں کے ساتھ پڑھنا سنت ہے۔ پہلی رکعت میں سات تکبیریں، تکبیر تحریمہ کے علاوہ۔ دوسری میں پانچ سجدہ سے اٹھنے کی تکبیر کے سوا۔

دونوں رکعتوں میں معینہ تکبیریں سورہ فاتحہ کے پڑھنے سے پہلے کہی جائیں گی۔ نماز عید کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ القمر اور دوسری میں سورۂ ''ق'' پڑھنی سنت ہے۔ سورۂ ''اعلیٰ'' پہلی رکعت میں اور دوسری میں سورۂ الغاشیہ پڑھنا بھی سنت ہے۔

نماز عید کے بعد امام ایک خطبہ دے جس میں ضروری مسائل تقویٰ اور اتباع سنت کی ترغیب، مسلمانوں کے عام وخاص اصلاحی مسائل اور موجودہ ضروریات پر پوری روشنی ڈالے۔ جہاد وقربانی کی ضرورت اور مسلمانوں کی اس سے غفلت پوری طرح بیان کرے۔ تعلیم دین، نشرواشاعت اسلام، کتاب وسنت کی عام تبلیغ جو دراصل اعلائے کلمۃ اللہ ہے اس پر پورا زور دے اور لوگوں کو خوب اچھی طرح آگاہ کرے۔ اس کے واسطے لوگوں کو ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار کرے۔

حضور ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ اس خطبہ کے بعد آپ ﷺ مستورات کو الگ خطبہ دیتے۔

خطبہ سننا ضروری ہے۔ بغیر خطبہ سنے ہوئے بھاگ جانا نفاق اور منافقوں کا عمل ہے۔ البتہ سخت ضرورت پر امام کی اجازت لے کر جانا درست ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين .

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ
سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دارالدعوۃ السلفیۃ

28 رمضان المبارک 1433ھ جمعۃ المبارک 17 تا 23 اگست 2012ء

شمارہ 33 جلد 64

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر : 042-3735 4406
فیکس نمبر : 042-37229802
رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	12/- روپے
سالانہ	:	500/- روپے
بیرونی ممالک سے	:	200/- ریال
		60/- ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

تہی دامنی

ملک عصمت اللہ

اینٹوں کے بکھرے ہوئے ڈھیر کو عمارت نہیں کہا جاتا۔ لیکن جب ان اینٹوں کو مسالے کے ساتھ ایک خاص ترتیب کے ساتھ جوڑ دیا جائے تو نہ صرف عمارت بنتی ہے بلکہ ہر عمارت خود اپنی پہچان بن جاتی ہے۔ منبر ومحراب، سادہ مگر پرشکوہ عمارت اور آسمان کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے مینار بول بول کر کہتے ہیں کہ یہ مسجد ہے۔ ڈھلوانی چھتوں والی عمارت اور چھت پر صلیب کا نشان اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ یہ گرجا ہے۔

یہی حال معاشرے کا ہے۔ معاشرہ افراد ہی سے تشکیل پاتا ہے۔ اگر افراد کو باہم مربوط نہ کیا جائے تو انارکی جنم لیتی ہے اگر انھیں باہم مربوط کر دیا جائے تو ایک منظّم اور طاقت ور معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ پھر ہر معاشرہ اپنی ہیئت سے پہچانا جاتا ہے کہ یہ اسلامی معاشرہ ہے یا آوارگی اور بے حیائی پر مبنی یورپی معاشرہ۔

معاشرے کو طاقت ور اور منظّم بنانے والی قوت اس کا عقیدہ اور نظریہ ہے جو قوم کو من حیث القوم فکری انتشار اور ذہنی خلفشار سے محفوظ رکھتا ہے۔ جس قوم کا کوئی نظریہ نہ ہو یا جو قوم اپنے عقیدے کو پس پشت ڈال دے تو اس کی تباہی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ قوم کو یکجا رکھنے کے لیے دوسرا عنصر افراد کے درمیان باہمی روابط وتعلقات ہیں جن کی طرف نبی اکرم ﷺ نے انما المومنون اخوۃ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے کہ تمام مومن آپس میں بھائی ہیں اور ہر ایک دوسرے کی طاقت اور سہارا ہے۔ ان تعلقات کو قائم رکھنے اور مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لیے ایک دوسری قوت ''اخلاق'' ہے۔

اخلاق کیا ہے؟ اس کو جاننے کے لیے سیرت النبی ﷺ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''اخلاق سے مقصود باہم بندوں کے حقوق وفرائض سے وہ تعلقات ہیں جن کو ادا کرنا ہر انسان کے لیے مناسب بلکہ ضروری ہے۔ انسان جب دنیا میں آتا ہے تو اس کا ہر شے سے تھوڑا بہت تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس تعلق کے فرض کو بہ حسن خوبی انجام دینا اخلاق ہے۔''

ان تعلقات کی وسعت اور اہمیت پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔ انسان جب دنیا میں آتا ہے تو اس کا دوطرفہ تعلق پیدا ہوتا ہے۔ ایک تعلق اپنے رب کے ساتھ بہ طور خالق اور مخلوق پیدا ہوتا ہے تو دوسری طرف خدا کے بندوں کے ساتھ بنتا ہے۔ ان میں سے اولین تعلق والدین اور عزیز واقارب کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ ذرا شعور آتا ہے تو ہم جولیوں اور دوستوں کے ساتھ تعلق قائم ہوتا ہے۔ ذرا ہوش سنبھلتا ہے تو حصولِ تعلیم کے لیے کسی سکول یا مدرسے کا رخ کرتا ہے تو اساتذہ اور ہم سبق وہم جماعت ساتھیوں سے تعلق جڑتا ہے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد ملازمت یا کاروبار کرتا ہے تو دفتر یا مارکیٹ میں ہم پیشہ افراد سے واسطہ پڑتا ہے۔ شادی ہوتی ہے تو خود بیوی بچوں والا بن جاتا ہے غرض کہ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے تعلقات کا دائرہ پھیلتا اور وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ ان تعلقات کو قائم واستوار رکھنے کے لیے کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کے بارے میں اسلام نے ہدایات نہ دی ہوں۔ ان کے علاوہ دیگر اخلاقی تعلیمات ان روابط وتعلقات کو مزید مضبوط اور خوش گوار بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں جن میں انسان دوستی، رحم دلی، عدل وانصاف، عہد کی پابندی، احسان، عفو ودرگزر، ایثار وہم دردی، غنا، صدق وصفا، عفت اور شرم وحیا سرفہرست ہیں۔ ہمیں افسوس اس بات پر ہے کہ اسلام کا یہی عظیم الشان پہلو ہم نے نظرانداز کر رکھا ہے جس کے نتیجے میں ماردھاڑ، لوٹ مار، رشوت خوری اور اقربا پروری جیسی لعنتیں ہمارے معاشرے کا عنوان بن کر رہ گئی ہیں۔

ذرا بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اخلاق کی اہمیت عبادات سے کہیں زیادہ ہے۔ شرک اور کفر کے سوا تمام گناہوں کی معافی مولا کریم نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے کہ جسے چاہے معاف کر دے لیکن حقوق العباد جن کا زیادہ تر تعلق اخلاق سے ہے ان بندوں

کے ہاتھ میں رکھی ہے جن کے حقوق میں کمی یا کوتاہی ہوتی ہے۔

ایمان سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں لیکن اس کی تکمیل کا سب سے بڑا ذریعہ اخلاق ہی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((اکمل المومنین ایمانا احسنهم خلقا .))

''کامل ایمان والے وہی لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔'' نیز فرمایا: خیارکم احسن اخلاقا ''تم میں سے سب سے اچھا وہی ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔'' ترک اخلاق سے بے شمار رذائل در آتے ہیں۔ ظلم، بددیانتی، حرام خوری، جھوٹ، غیبت، نفاق، عہد شکنی، دھوکا وفریب، بہتان، خوشامد، بدگمانی، حرص وطمع، بخل، بے ایمانی، چوری، ڈاکہ زنی، بغض وکینہ، حسد وتکبر، ریا کاری، خود بینی اور خود نمائی اس کا شاخسانہ ہیں۔

ایک اسلامی معاشرے اور دیگر معاشروں کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو ان کے درمیان زمین وآسمان کا فرق نظر آئے گا۔ یہود کو لیجیے ان میں دولت کی ہوس بہت زیادہ ہے۔ اس ہوس کو پورا کرنے کے لیے سود کی بنیاد پر اس نے بے شمار ادارے دنیا بھر میں پھیلا رکھے ہیں جن کی مدد سے دنیا بھر کے غریب ونادار ممالک کو اپنے سودی چنگل میں پھنسا رکھا ہے جس سے ان کی آزادی سلب ہو کر رہ گئی ہے۔ اسی بنیاد پر امریکا اپنی طاقت کے باوجود اسرائیل کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔ اس کی اس کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہیں۔ اسی لیے اس کی ہر جائز وناجائز بات کی حمایت ونصرت اس کی ملکی پالیسی کا بنیادی پتھر ہے۔

امریکا کی خود اپنی پالیسی ظلم اور فریب پر مبنی ہے۔ اس کی تہذیب شرم وحیا سے عاری اور عفت وپاک دامنی سے معرا ہے۔ طالبان کا خوف اس پر اس قدر حاوی ہے کہ محض اس خدشے پر طالبان امریکا پر چڑھ دوڑیں گے، ان کو ختم کرنے کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔ جس کے نتیجے میں ہزاروں معصوم اور بے گناہ افراد کو خاک وخون میں نہلایا اور ہزاروں افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے جو سراسر ظلم ہے اور پھر مکر وفریب کا یہ حال ہے کہ پراپیگنڈے کے زور پر دہشت گردی کا الٹا الزام بھی ان پر لگایا جا رہا ہے۔ دوہرے معیار پر مبنی پالیسیاں اسی مکر وفریب کا حصہ ہیں۔ رشتوں کی عزت واحترام کا دور دور تک کوئی نشان نہیں ملتا بلکہ ان کی پامالی ہی ان کے لیے فخر وانبساط کا باعث ہے۔ ماں کی بیٹے کے، بیٹی کی باپ کے اور بہن کی بھائی کے ہاتھوں عزت محفوظ نہیں۔ مغربی عورتوں میں شرم وحیا نام کی کوئی چیز نہیں اور عفت ودامنی کا کوئی تصور نہیں۔ اس جنس زدہ معاشرے کے دل ودماغ پر جنس سوار ہے اور اس پر ڈھٹائی یہ ہے کہ وہ اس بے حیا تہذیب کو دنیا بھر میں عام طور پر اور مسلمان ممالک میں خاص طور پر پھیلانا چاہتا ہے جس سے تہذیبوں کی باہمی جنگ کی بنیاد پڑی جس نے دنیا بھر میں بے چینی اور افراتفری پھیلا رکھی ہے۔

اگرچہ پاکستانی معاشرہ ان اخلاقی عیوب سے یکسر پاک نہیں تاہم وہ اس میں غرق بھی نہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود ہمارے معاشرے کا اجتماعی ضمیر ان اخلاقی برائیوں کو قبول نہیں کرتا۔ مذہبی تعصب انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان اس تعصب کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ کہیں دو چار عیسائی مارے جائیں تو امریکا دنیا بھر کی این جی اوز سمیت آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے لیکن دنیا میں ہزاروں مسلمان تہ تیغ کر دیے جائیں جیسا کہ آج کل برما میں ہو رہا ہے تو امریکا اور اس کے تمام حواری میڈیے سمیت چپ سادھ لیتے ہیں۔

امریکی پالیسیوں میں اخلاقیات کا کوئی گزر نہیں اس لیے اس کے پاس انسانی ہمدردی کے نام کی کوئی چیز نہیں اگر کہیں ہے تو محض اغراض ومفادات کے سودے ہیں۔ یہ سب کچھ اخلاق سے تہی دامنی کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس اسلام غرباء مساکین کا اتنا ہمدرد اور غمگسار ہے کہ اس نے تمام مالی عبادات...... زکوۃ، صدقہ وخیرات، فدیہ وفطرانہ...... کا رخ غرباء ومساکین کی طرف موڑ رکھا ہے۔

ہمیں یہ توقع تو نہیں کہ امریکہ اپنی نفرت انگیز پالیسی کو تبدیل کرے گا لیکن ہمیں اس بات کی توقع ضرور ہے کہ کم از کم مسلمان اپنی زندگیوں کو از سر نو اخلاق کی بنیاد پر ضرور استوار کریں گے اور اسی ''خلق عظیم'' کو اپنائیں گے جس کا اعلیٰ ترین نمونہ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے تا کہ مغربی نظام کے مقابلے میں اسلام کے اخلاقی نظام کے خدوخال ابھر کر سامنے آئیں تا کہ دنیا فیصلہ کر سکے کہ دنیا میں کون سا نظام باقی رہنے کا استحقاق رکھتا ہے۔

﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ [الأنفال: ٤٢]

درس قرآن

قسط نمبر ۳۶

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ﴾ منازل، منزل کی جمع ہے جس کے معنی جائے نزول کے ہیں۔ سورج کی طرح چاند بھی اپنے مدار میں چل رہا ہے اور ہم نے اس کی منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ چاند اپنا دورہ ایک ماہ میں مکمل کرتا ہے، اس لیے اس کی ۲۹ یا ۳۰ منزلیں ہیں۔ عموماً چاند ایک یا دو دن نظر سے غائب ہوتا ہے، اس لیے رؤیت کے اعتبار سے عموماً ۲۸ منزلیں کہی جاتی ہیں۔ اہل ہیئت اور قدیم جاہلینِ عرب نے ان منزلوں کے نام ان ستاروں کی مناسبت سے رکھے ہیں جو ان منازل کے محاذات میں ہیں۔ علامہ قرطبی نے ان منازل کے درج ذیل نام ذکر کیے ہیں:

(۱) شرطان، (۲) بطین، (۳) ثریا، (۴) دبران، (۵) ہقعہ، (۶) ہنعہ، (۷) ذراع، (۸) نثرہ، (۹) طرف، (۱۰) جبہہ، (۱۱) خراتان، (۱۲) صرفہ، (۱۳) عواء، (۱۴) سماک، (۱۵) غفر، (۱۶) زبانیان، (۱۷) اکلیل، (۱۸) قلب، (۱۹) شولہ، (۲۰) نعائم، (۲۱) بلدہ، (۲۲) سعد الذابح، (۲۳) سعد بلع، (۲۴) سعد السعود، (۲۵) سعد الاخبیہ، (۲۶) الفرغ المقدم، (۲۷) الفرغ المؤخر، (۲۸) بطن الحوت۔

چاند یہ منزلیں ۲۸ راتوں میں طے کرتا ہے۔ آخری منزل پر پہنچنے کے بعد ایک یا دو دن نظر نہیں آتا، پھر ہلال کی صورت میں طلوع ہوتا ہے اور اپنی منزلوں کا سفر شروع کر دیتا ہے۔ یہ اٹھائیس منزلیں بارہ برجوں پر مشتمل ہیں اور ہر برج کے لیے دو منزلیں اور ایک تہائی منزل ہے، مثلاً: برج حمل کے لیے شرطان، بطین اور ثریا کا ایک تہائی ہے۔ اور برج ثور کے لیے دو تہائی ثریا کی اور بردان اور دو تہائی ہقعہ کی ہیں۔ اسی طرح تمام منزلیں اسی حساب سے طے کرتا ہے۔

(قرطبي: ١٥/ ٢٩-٣١)

چاند کی طرح سورج کی بھی منزلیں مقرر ہیں اور اس کی یہ منزلیں ایک سال میں مکمل ہوتی ہیں۔ دونوں کی منزلوں کا ذکر سورۂ یونس میں ہے:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ﴾ [يونس: ٥]

''وہی ہے جس نے سورج کو تیز روشنی اور چاند کو نور بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔''

یہاں ﴿قَدَّرَهُ﴾ میں ضمیر مفرد کا ذکر ہے مگر مراد دونوں ہیں۔ اور قرآنِ مجید میں ہی اس کی مثالیں موجود ہیں، چنانچہ ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا﴾

[الجمعة: ١١]

''اور جب وہ کوئی تجارت یا تماشا دیکھتے ہیں تو اٹھ کر اس کی طرف چلے جاتے ہیں۔''

یہاں بھی ﴿تِجَارَةً﴾ اور ﴿لَهْوًا﴾ کے بعد ﴿إِلَيْهَا﴾ میں ''ھا'' ضمیر مفرد ہی ہے مگر اس سے مراد دونوں کی طرف چلے جانے کے ہیں۔ یہاں بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ گو منزلیں تو شمس وقمر دونوں کی مقرر ہیں مگر یہاں صرف چاند کی منزلیں بیان کرنا مقصود ہے کہ اس سے ماہ وسال کا حساب متعین ہوتا ہے۔ چاند کو دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ آج کون سی تاریخ ہے جب کہ سورج کو دیکھ

کرکوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ آج رواں مہینے کی فلاں تاریخ ہے۔سورج کے حساب سے ماہ واَیام مقرر کیے جاتے ہیں جب کہ چاند سے مشاہدے کی بنیاد پر ماہ وایام کی تعین ہوجاتی ہے۔

﴿كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ﴾ چاند اپنی منزلیں طے کرتا ہوا بالآخر کھجور کی ٹیڑھی ڈنڈی کی طرح ہوجاتا ہے۔"العرجون" کھجور کے خوشے کی ڈنڈی کو کہتے ہیں جو خشک ہوکر خم دار ہوجاتی ہے۔کھجور کی ایسی ڈنڈی کی شکل اسی طرح کی ہوجاتی ہے جو چاند کی پہلی اور آخری تاریخوں میں ہوتی ہے۔

چاند کا یہ سفر جو روزانہ ایک ترتیب وترتیب کے مطابق لاکھوں سال سے باقاعدہ جاری وساری ہے یہ بھی اس حقیقت کی دلیل ہے کہ یہ قادر مطلق اور پوری طرح علم رکھنے والے کی قدرت کا نتیجہ ہے۔یہ چاند خود کار طریقے سے نہیں چل رہا بلکہ ایک قادر مطلق ہستی اسے چلا رہی ہے اور یہ اپنا سفر اور اپنی منزلیں طے کرتا ہوا ایک کھجور کی خشک ٹہنی کی طرح خمیدہ ہوجاتا ہے۔جس کی اپنی یہ پوزیشن ہے کہ وہ اپنی آب وتاب کو برقرار نہیں رکھ سکتا، اس کے بعد بھی اس کی پرستش میں کوئی معقولیت رہ جاتی ہے؟

چاند کی یہ صورت کہ اس کی ابتدا معمولی وجود سے ہوتی ہے، پھر وہ دن بہ دن بڑھتا ہے اور اس کی روشنی پھیلتی جاتی ہے حتی کہ بدرِ کامل بن جاتا ہے، پھر بمصداق "ہر کمالِ را زوالے" گھٹنا شروع ہوجاتا ہے تا آنکہ کھجور کے خوشے کی خشک ڈنڈی کی طرح خم دار ہوجاتا ہے۔غور کیجیے تو یہی کیفیت انسان کی ہے۔پیدائش کے بعد پہلے کمزور بچے کی صورت میں، پھر آہستہ آہستہ بڑا ہوتا ہوا شباب کو پہنچتا ہے، پھر ناتوانی کا دور شروع ہوجاتا ہے اور نحیف ونزار ہوکر رہ جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً﴾

[الروم: ٥٤]

"اللہ وہ ہے جس نے تمھیں کمزوری سے پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد قوت بنائی، پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا بنادیا۔"

جو ذات چاند کے کمزور ہوجانے حتی کہ آنکھ سے اوجھل ہوجانے کے بعد دوبارہ اسے زندگی دینے پر قادر ہے وہی انسان کو کمزور ہوجانے اور قبر میں چلے جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا مظاہرہ ہر انسان ہر ماہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے مگر حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔

یہاں یہ بات بھی پیش نگاہ رہے کہ ﴿اَلْقَدِيْمِ﴾ کا اطلاق مخلوق پر ہوا ہے۔اس لفظ کا اسمائے حسنیٰ میں ہونا ثابت نہیں۔البتہ اللہ تعالیٰ کے وصف میں "يا قديم الإحسان!" استعمال ہوا ہے۔(مفردات)

فلاسفہ "القدیم" یعنی جو ماضی میں موجود ہو، کو اللہ تعالیٰ کی خاص صفت قرار دیتے ہیں مگر یہ درست نہیں۔ یہ اگر اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہوتی تو اس کا اطلاق مخلوق پر نہ ہوتا، لہٰذا قدیم ہونا اس کے ازلی واَبدی ہونے کو مستلزم نہیں۔البتہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں اس کی بجائے "الأول" اسم ہے، یعنی وہی سب سے پہلے ہے، اس سے پہلے کوئی چیز نہیں۔

﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ﴾ اللہ تعالیٰ نے یہ سارا نظام اس طرح اپنے کنٹرول میں کر رکھا ہے مجال ہے کہ یہ سورج اپنے مدار سے نکل کر اور اپنی مقررہ رفتار کو ختم کرکے چاند تک پہنچ جائے اور اس سے ٹکرا جائے یا یہ کہ چاند طلوع ہوکر اپنا نور بکھیر رہا ہو تو اچانک سورج طلوع ہوجائے۔ جب چاند روشن ہوگا تو سورج نہیں ہوگا اور جب سورج چمکتا ہے تب چاند نہیں ہوتا۔

﴿وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ﴾ ایسا بھی ممکن نہیں کہ دن کے لیے مقرر وقت ختم ہونے سے پہلے رات چھا جائے بلکہ سورج اور چاند اپنے اپنے وقت مقرر پر آتے جاتے ہیں اور اسی ترتیب سے لیل ونہار کا یہ نظام برس ہا برس سے قائم ہے، ایک سیکنڈ کے لیے بھی اس میں نہ تقدیم ہے نہ ہی تاخیر۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات کو چلانے والی صرف ایک ہی قادر مطلق ہستی ہے۔ اگر اس کے سوا

کوئی اور بھی اس نظام کے چلانے میں اس کا شریک ہوتا تو یہ دنیا، جو مجموعہ اضداد ہے، ایک ڈھب پر قائم نہ رہتی۔

﴿وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ یہ شمس وقمر اپنے اپنے ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔ یہاں ﴿كُلٌّ﴾ دراصل "كلُّ أحدٍ" تھا، اضافت کو حذف کر کے ﴿كُلٌّ﴾ پر تنوین دی گئی ہے اور معنی یہ ہیں: دونوں میں سے ہر کوئی اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔ "کل" کا تثنیہ اور جمع نہیں ہوتا، اس کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے، مثلاً: کہا جاتا ہے زید وعمرو كل جاء یا كل جاء وا. یعنی تثنیہ کے ساتھ نہیں ہوتا، چنانچہ "زید وعمرو کل جاء ا" نہیں کہا جاتا۔ "فلك" کے معنی ہیں: سورج، چاند اور ستاروں کا مدار اور چلنے کی جگہ۔ (مفردات)

اور ﴿يَسْبَحُونَ﴾ "السبح" سے ہے جس کے اصل معنی پانی یا ہوا میں تیز رفتاری سے گزر جانے کے ہیں، یعنی شمس وقمر میں سے ہر ایک اور باقی تمام سیارے اپنے اپنے دائروں میں بڑی تیزی کے ساتھ تیر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب سیارے اپنے اپنے مدار میں نہایت سبق رفتاری سے تیر رہے ہیں۔ اور ان کے تیرنے کی کیفیت ایسی ہے جیسے ہوا میں یا پانی وغیرہ سیال چیز میں کوئی شے تیر رہی ہوتی ہے۔ بلکہ بعض نے تو کہا ہے کہ آسمان کے نیچے ہوا کا مدار ہے جس میں یہ سیارے تیر رہے ہیں۔ اگر یہ حقیقت ہے تو یہ ﴿يَسْبَحُونَ﴾ کے اصل معنی کے عین مطابق ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ سیارے آسمان کے اندر نہیں جیسا کہ بطلیموس کا خیال تھا بلکہ آسمان کے نیچے اپنے اپنے مدار میں ہیں۔ سیارے جن کی تعداد کا سائنس کی تمام تر ترقی کے باوجود علم نہیں ہوسکا، ان تمام کا اپنے اپنے مدار میں تیرنے سے خلا کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس حوالے سے شائقین "تہذیب جدید کا چیلنج"، "قرآن اور کائنات" اور تفہیم القرآن (۲۶۱/۴) ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن کا مقصد علم ہیئت کے حقائق بیان کرنا نہیں بلکہ یہ سمجھانا ہے کہ یہ وسیع وعریض نظام ایک قادر مطلق ہستی نے بنایا ہے جس میں کوئی اس کا سہیم وشریک نہیں اور یہ سب مظاہر قدرت ہیں اور ایسے مسخر ومحکوم ہیں کہ بال برابر بھی اپنے اپنے دائرے سے انحراف نہیں کرتے۔ بعض انسانوں نے انھی کو اپنا معبود بنایا مگر اسلام نے انھیں خبردار کیا کہ یہ تو بجائے خود اللہ کی قدرت کاملہ کا مظہر اور اس کی توحید کی عظیم نشانیاں ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا﴾ یعنی سورج کے لیے ممکن نہیں کہ وہ چاند کو جالے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ رات دن سے سبقت لے جائے۔ ﴿يَنْبَغِي﴾ کا لفظ قرآنِ مجید میں امر محال اور ناممکن اور نامناسب کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے فرمایا:

﴿وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ [مریم: ۹۲]

"حالانکہ رحمان کے لائق نہیں کہ وہ کسی اولاد کا دعویٰ کرے۔"

ایک اور مقام پر اللہ کے سوا جن کی پرستش ہوتی ہے ان کے بارے میں ہے:

﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ [الفرقان: ۱۸]

"وہ کہیں گے: تُو پاک ہے، ہمارے لائق نہ تھا کہ ہم تیرے سوا کسی بھی طرح کے دوست بناتے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن الله عزوجل لا ينام ولا ينبغي له أن ينام.)) (صحيح مسلم، رقم الحديث: ۱۷۹)

"بے شک اللہ عزوجل نہیں سوتے اور نہ سونا اس کے لیے مناسب ہے۔"

بلاشبہ یہ ناممکن ومحال ہے کہ سورج تیز تیز چل کے چاند کو جالے یا رات دن سے سبقت لے جائے کہ دن کے ہوتے ہوئے آناً فاناً رات آ دھمکے۔ جب سے دن رات کا یہ نظام قائم ہوا ہے اس وقت سے اب تک یہ نظام اسی طرح ایک ترتیب سے چل رہا ہے۔ مگر اللہ

تعالیٰ کے لیے اس ترتیب میں تبدیلی محال اور مشکل نہیں۔ وہ جب چاہے اس میں تبدیلی پیدا کرنے پر قادر ہے جیسے مشرکین مکہ کے اس مطالبے پر کہ ہمیں اپنی صداقت کی نشانی دکھلائی جائے تو رسول اللہ ﷺ کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوگیا تھا۔

(صحيح بخاري، أرقام الحديث: ٣٦٣٧، ٣٨٦٩ وغيره)

یا جیسے حضرت یوشع بن نون نے جہاد کے دوران جب کہ نماز عصر یا اس سے کم وقت غروبِ آفتاب میں تھا، فرمایا:

"أنت مأمورة وأنا مأمور اللهم احبسها علي شيئا."

''اے سورج! تُو بھی حکم کا پابند ہے اور میں بھی حکم کا پابند ہوں، اے اللہ! اسے کچھ وقت کے لیے روک دے۔''

چنانچہ سورج ٹھہر گیا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح عطا فرمائی۔

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ٤٥٥٥)

اس لیے ان تکوینی امور میں کسی انسان کا تو کوئی عمل دخل نہیں لیکن جس ہستی نے یہ نظام بنایا ہے اس کے لیے اس میں تبدیلی کوئی امر محال نہیں۔ وہ جب چاہتا ہے کلمہ ﴿كُنْ﴾ کہتا ہے تو وہ ہو جاتا ہے:

﴿إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ [يٰس: ٨٢]





صدقہ جاریہ

دارالدعوۃ السّلفیہ (لاہور) جیسے علمی وتحقیقی اور دینی ادارے میں جگہ کی تنگی کے باعث کارکنان کے لیے رہائشی سہولت کی خاطر چند کمرے تعمیر کرنے کی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ مخیّر احباب ایک ایک کمرے کے لیے یا کچھ احباب مل کر اگر تعمیر میں تعاون کرنا چاہیں تو یہ ایک صدقہ جاریہ ہے۔

جو احباب تعاون کرنا چاہیں جلد رابطہ فرمائیں۔ اس فنڈ میں جمع ہونے والی رقم صرف اسی مد میں استعمال ہوگی۔ إن شاء الله

تعاون کرتے وقت تعمیری فنڈ کا تذکرہ فرما دیں۔ جزاكم الله خيرا

مجلس عاملہ دارالدعوۃ السّلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر: 2-0335-262-01، الائیڈ بنک، بلال گنج برانچ، لاہور

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیو کرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: شر الناس من يتقى شره

لوگوں میں بدترین وہ شخص ہے جس کے شر سے بچا جائے

١٣٤٨ . عن عروة بن الزبير أن عائشة أخبرته: استأذن رجل على النبي ﷺ فقال: ((ائذنوا له بئس أخو العشيرة)) فلما دخل ألان له الكلام، فقلت: يا رسول الله، قلت الذي قلت ثم ألنت الكلام؟ قال: ((أي عائشة، إن شر الناس من تركه الناس - أو ودعه الناس - اتقاء فحشه.))

"حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بیان کیا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت مانگی آپ نے فرمایا: اسے اندر آنے دو یہ اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے۔ جب وہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے نرم گفتگو فرمائی۔ میں نے عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ آپ نے اس آدمی کے متعلق جو کچھ کہا لیکن آپ نے اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے برا وہ آدمی ہے جس کو لوگ اس کی بدکلامی کے شر کی وجہ سے چھوڑ دیں۔"

باب: الحياء

حیا کا بیان

١٣٤٩ . عن عمران بن حصين قال: قال النبي ﷺ: ((الحياء لا يأتي إلا بخير)) فقال بشير بن كعب: مكتوب في الحكمة: إن من الحياء وقارا، إن من الحياء سكينة، فقال له عمران: أحدثك عن رسول الله وتحدثني عن صحيفتك؟!

"حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حیا نہیں لاتی مگر خیر۔ بشیر بن کعب نے کہا حکمت میں لکھا ہوا ہے حیا سے وقار اور حیا سے اطمینان ہوتا ہے۔ عمران نے فرمایا: میں تجھ سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو مجھ سے اپنی کتاب سے بیان کرتا ہے۔"

یعنی میں تو حضرت کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو مجھ سے اپنی بات کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت کے مقابلہ میں کسی حکیم وغیرہ کی بات گو اچھی ہو کچھ لائق التفات وسند لانے کے نہیں ہوتی ہے۔

١٣٥٠ . عن ابن عمر قال: إن الحياء والإيمان قرنا جميعا، فإذا رفع أحدهما رفع الآخر.

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حیا اور ایمان ہم قرین یعنی آپس میں لازم وملزوم ہیں اگر ان میں سے ایک نہ ہو تو دوسرا بھی نہیں ہوتا۔"

باب: الجفاء

جفا یعنی بدکلامی سخت مزاجی

١٣٥١ . عن أبي بكرة، عن النبي ﷺ قال: ((الحياء من الإيمان، والإيمان في الجنة، والبذاء من الجفاء، والجفاء في النار.))

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "حیا ایمان میں سے ہے اور ایمان والے جنت میں ہوں گے اور بدکلامی سخت مزاجی سے ہے اور سخت

مزاجی دوزخ میں لے جائے گی۔''
فائدہ: اہل علم کو عدم ایمان یا قلت ایمان کا تجربہ وامتحان وقت عدم حیا وشرم کے کثرت وقلت بہ خوبی حاصل ہو چکا ہے ع
شرمی شرمی کہ رفت ایماں شرمی

١٣٥٢ . عن علي قال: كان النبي ﷺ ضخم الرأس عظيم العينين، إذا مشى تكفأ كأنما يمشي في صعد، إذا التفت التفت جميعا .
''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک بڑا تھا اور آنکھیں موٹی، چلتے تو آگے کی طرف جھک کر جیسے گھاٹی سے نیچے کو اتر رہے ہیں جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے۔''

باب: إذا لم تستح فاصنع ما شئت
جب تو شرم نہ کرے تو جو چاہے کرے

١٣٥٣ . عن أبي مسعود، قال: قال النبي ﷺ: ((إن مما أدرك الناس من كلام النبوة الأولى اذا لم تستح فاصنع ما شئت .))
''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: منجملہ اس کلام نبوت کے ابتدائی درجے کی بات جسے لوگ جانتے ہیں وہ یہ ہے جب تجھے حیا نہیں تو جو چاہے کرو۔''

بے حیا باش وہرچہ خواہی کن
شرم بگذار و بادشاہی کن

باب: الغضب
غصہ کا بیان

١٣٥٤ . عن أبي هريرة، أن رسول الله ﷺ قال:: ((ليس الشديد بالصرعة إنما الشديد الذي يملك نفسه عند الغضب .))
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی کو پچھاڑ دینا پہلوانی اور طاقت کی نشانی نہیں، طاقت ور وہ آدمی ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔''

١٣٥٥ . عن ابن عمر قال: ما من جرعة أعظم عند الله أجرا من جرعة غيظ كظمها عبد ابتغاء وجه الله .
''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں نہیں ہے کوئی گھونٹ اللہ کے نزدیک زیادہ اجر وثواب میں اس گھونٹ سے بڑھ کر جس کو غصہ کے وقت آدمی پی جائے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔''

باب: ما يقول إذا غضب
غصہ کے وقت کیا کہنا چاہیے

١٣٥٦ . عن سليمان بن صرد قال: استب رجلان عند النبي ﷺ فجعل أحدهما يغضب ويحمر وجهه، فنظر إليه النبي ﷺ فقال: ((إني لأعلم كلمة لو قالها لذهب هذا عنه: أعوذ بالله من الشيطان الرجيم)) فقام رجل إلى ذاك الرجل فقال: تدري ما قال؟ قال: ((قل أعوذ بالله من الشيطان الرجيم))، فقال الرجل: أمجنونا تراني؟ .
''حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کرنے لگے اس قدر غصے میں آئے ان میں سے ایک آدمی کا چہرہ سرخ ہو گیا آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر یہ آدمی کہہ دے تو اس کا غصہ جاتا رہے۔ وہ کلمہ یہ ہے: أعوذ بالله من الشيطان الرجيم. چنانچہ ایک آدمی اٹھ کر اس کے پاس آیا اور کہا کیا تم جانتے ہو آپ ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ اس نے کہا تو أعوذ بالله من الشيطان الرجيم پڑھ لے۔ تو اس نے کہا کیا تو مجھے پاگل دیوانہ سمجھتا ہے۔''

جــرعــات

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

تمام عصری تعلیمی اداروں کی پیشانی ''طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے'' کی مشہور حدیث سے مزین ہوتی ہے۔علماء کا کہنا ہے کہ فرض علم سے مراد اللہ تعالیٰ کے حقوق (عبادات وفرائض، حلال وحرام) اور بندوں کے حقوق (نبی ﷺ کا حق، صحابہ واہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ رحمہم اللہ، والدین، اساتذہ، اولاد، پڑوس اور ہر مسلمان کے حقوق) ہیں۔جن کی تعلیم کا ان تعلیم گاہوں میں عموماً اہتمام نہیں ہوتا کہ یہ تعلیم گاہیں علم برائے معاش کی تعلیم گاہیں ہیں۔درج ذیل اداریے میں مولانا نے غفلت، کوتاہی یا جس مرض کا تذکرہ فرمایا ہے وہ مرض اب کم وبیش تمام دینی مدارس میں اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ وبا کی طرح پھیل چکا ہے۔کوئی پس ماندہ ذہن اگر اس فتنے کی طرف نشان دہی کرتا ہے تو ...... علم برائے معاش کا ...... جدید نظریہ ''زمینی حقائق'' کے بیسیوں دلائل سے اگلے وقتوں کے ان لوگوں کو پچھاڑ کر رکھ دیتا ہے حالانکہ نتائج زمینی حقائق کی بادصرصر پر نہیں بلکہ ایمان کی باد بہاری کی حقیقتوں پر مرتب ہوتے ہیں۔والی اللہ المشتکی (احمد شاکر)

اس امر میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیشہ کی طرح اب بھی اپنے دین اور علوم دین کی حفاظت کا سامان پیدا کرے گا جیسا کہ اس نے اپنا ایک قانون کتاب حکیم میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾ [محمد: ۳۸]

اور جس کی مثالیں اسلام کی زریں تاریخ میں موجود ہیں۔لیکن ہمارے ہاں کا دن بہ دن روبہ ترقی علمی انحطاط جو تشویش ناک صورت اختیار کرتا جارہا ہے اس طرف علمائے کرام، کثر اللہ سوادھم، کو اجتماعی توجہ اور اس سلسلے میں کوشش کی فوری ضرورت ہے۔اسبابِ مرض کی تشخیص، اس کا علاج، پھر اس کو بروئے کار لانا علماء کا جماعتی فریضہ ہے۔ان کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ علوم اسلامیہ: قرآن، حدیث، فقہ وتاریخ اسلامی، ادب ومعانی وغیرہ کے تحفظ وبقا کی ذمہ داری ان ہی پر عائد ہوتی ہے کیونکہ علمِ دین انبیاء علیہم السلام کا ورثہ ہے، اور یہ مال میراث حق تعالیٰ نے صرف ان کو موہبت فرمایا ہے، دوسرے خواہ کچھ کہیں قوم کی کشتی کے ناخدا وہی ہیں۔وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.

یہ امر موجبِ اطمینان ہے کہ فرداً فرداً اس کا احساس ہر مکتب فکر کے حساس اور دردمند علماء حضرات کو ہے۔وہ ایک مدت سے اس کے اسباب کی ٹوہ میں لگے ہوئے ہیں، لیکن نزاکت حالات کا تقاضا ہے کہ بین الجماعتی طور پر غور کرکے کسی فیصلہ کن نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے مگر وہ فیصلہ نظری نہ ہو عملی ہو، اور لچک رکھنے کے باوجود کلیت کا حامل اور اصولاً ٹھوس ہو۔

بہت سے مفکرین کا خیال ہے کہ موجودہ قابلیتی بحران کا سب سے بڑا سبب مدارس عربیہ کا مروجہ نصاب تعلیم ہے۔حالانکہ ماضی قریب کے جید اہل علم جن پر برصغیر پاک وہند کو بجا طور پر فخر ہے، ولی اللّٰہی خاندان اور ان کے متوسلین، مولانا سیّد محمد نذیر حسین، مولانا نواب سیّد محمد صدیق حسن، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمود الحسن، مولانا محمد شمس الحق، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا سیّد محمد انور شاہ، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا حافظ محمد صاحب لکھوی،

مولانا سیّد سلیمان صاحب ندوی، مولانا ثناء اللہ مرحوم وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم سب بزرگ اسی نصاب کے فیض یافتہ تھے۔

ان حضرات کی خدماتِ علمی اور اسلامی اسے کون انکار کرسکتا ہے۔ اور کیا یہ واقعہ نہیں کہ اپنے اپنے درجے میں ان ہی کی مساعی، محنت، ایثار اور قربانیوں کا فیض ہے جو علومِ دینیہ کی تھوڑی بہت رونق نظر آرہی ہے۔

اس گزارش کے یہ معنی نہیں کہ نصاب تعلیم میں حالات کے مطابق مناسب جزوی تبدیلیوں کی ضرورت نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ موجودہ صورتِ حال کی کیا واحد وجہ یہی ہے؟ اس پر مزید ہمہ جہتی غور وفکر کی ضرورت ہے۔ کیا اس کے اسباب دوسرے نہیں ہوسکتے جو مادی بھی ہوں اور روحانی بھی، ظاہری بھی ہوں اور باطنی بھی!

ہم سمجھتے ہیں وہ ایسے نہیں کہ ''مزعومہ مصالح'' سے خالی الذہن ہو کر سوچا جائے تو وہ معلوم نہ ہوسکتے ہوں۔

آج کی صحبت میں ہمیں اربابِ فکر ونظر کی خدمت میں ایک ایسے اہم سبب کا ذکر کرنا ہے جس کی طرف موجودہ تحریکِ احیاء وتجدیدِ توحید وسنت کے بانی حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید قدس اللہ روحہ نے اشارہ کیا ہے۔ مولانا ممدوح اپنے شیخ طریقت حضرت سیّد احمد شہید رحمہ اللہ کے ملفوظات ''صراطِ مستقیم'' میں لکھتے ہیں:

''باید دانست کہ در جوہر اولاد کرماء استعدادے مکنوں بطریق میراث از آبائے کرام ایشاں ودیعت مے نہند لیکن آں محض استعداد در ہیچ یکے از امور معاشیہ ومعادیہ کار آمدنی نیست آرے اگر ہماں استعداد بر روئے کار آید وبہ سبب تعلیم وتعلم وتشرع وتدین جلوہ گر شود البتہ مظہر امور عظیمہ ومصدر منافع جلیلہ خواہد شد وایں استعدادات مکنونہ را بہ مشابہ استعدادات ازلیہ کہ نصیبہ ہر شخص در ازل الآزال استعدادے از استعدادات صالحہ یا فاسدہ گردیدہ باید فہمید اما بنائے مجازاۃ برمحض آں استعدادات نیست ......الخ'' (ص:٦٦)

''واضح رہے کہ شرفاء کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے فطانت، ذہانت اور شرافت کا ایک جوہر ودیعت کر رکھا ہے جو آباء واجداد سے ان میں وراثتاً منتقل ہوکر آتا ہے۔ مگر صرف یہ فطری استعداد ہرگز ہرگز کار آمد نہیں جب تک کہ ان قابل جوہروں کی علوم اسلامی کی تعلیم وتعلم اور تشرع وتدین کے ذریعے تربیت نہ کی جائے۔ بلاشبہ اس ذہین وفطین طبقے کی علمی ودینی تربیت سے بڑے مفید نتائج ظاہر ہوسکتے ہیں۔''

اس ارشاد کی روشنی میں عربی کی پچھلی پون صدی کی تعلیمی رفتار اور معیارِ قابلیت کی بتدریج پستی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مومنانہ فراست کا مذکورہ بالا تجزیہ کس قدر درست ہے۔

انگریزوں کے آنے کے بعد مسلمانوں کے ذہین طبقے نے عربی کی بجائے انگریزی کا رخ کرلیا اور اسلامی نظام تعلیم کی بجائے ان کا میلان ایسے تعلیمی نظام کی طرف ہوگیا جس کا مقصد اور کچھ بھی ہو ''علم'' ہرگز نہیں تھا۔ مذہب اور اخلاقی اقدار اس کے دائرۂ کار ہی سے خارج تھے۔ تاہم ''کرماء'' کی اکثریت اور اکثر علمی خاندانوں نے اپنے نونہالوں کو جنھیں ورثہ میں ''اعلیٰ استعداد کا جوہر'' ودیعت ہوا تھا۔ دہلی (مرحوم)، دیوبند، لکھنو، امرت سر (مرحوم)، حجاز، مصر کے عربی دارالعلوموں اور تفسیر وحدیث کے مدارس کی بجائے علی گڑھ، لندن، کیمبرج اور امریکا بھیجنا شروع کردیا۔ انتہا یہ کہ یہ وبا بعض ان علمائے عربیت کے گھروں میں بھی گھس آئی جنھوں نے عربی ہی کی بہ دولت قوم میں عزت پائی۔ شہرت وحیثیت کے مالک ہوئے، انھوں نے بھی اپنی اولاد کو کالج ہی کی طرف دھکیل دیا تاکہ وہ ''استعدادی جوہر'' سے کام لے کر بہترین ''دفتری'' بن سکیں۔ اور اس طرح اپنے عمل سے عوام کو بھی عربی پر انگریزی کی ترجیح کا تاثر دیا، اس پر مستزاد یہ کہ کالج کی ''تعلیم'' میں تمتعات مادیہ کا حصول اور خوش حال زندگی بسر کرنے کا مستقبل نظر آرہا تھا۔ اب یہ سیلاب ہے کہ تھمتا نظر ہی نہیں آتا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا کہ علماء تک اس رو میں بہہ گئے؟ اکثر ذہین وطباع حضرات اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ عربی

کے مروجہ نظام تعلیم میں جاذبیت اور کشش نہیں اس میں معاشی مسئلے کا حل نہیں، پھر اس مفروضے پر کبھی مشرقی علوم کے کالجی امتحانات تجویز کیے گئے جس سے مقصدیت کو شدید نقصان پہنچا اور کبھی یہ سوچا گیا کہ کیوں نہ عربی تعلیم کے مخمل میں انگریزی اور کالجی طریقہ ''تعلیم'' کے ٹاٹ کا پیوند لگا دیا جائے تا کہ عربی مدارس میں جاذبیت پیدا ہو سکے۔

مگر ہمیں اپنے قصور فہم کا اعتراف کرتے ہوئے اس میں تامل ہے ہمارے نزدیک یہ دو زبانوں کا مسئلہ نہیں کہ تطبیق کے کسی بقراطی نسخے سے مرض کا علاج ہو سکے بلکہ مسئلہ دو مختلف المزاج واللوازم تعلیمی نظاموں کا ہے۔ جن کے درمیات اتنا بعد مسافت ہے کہ اسے پاٹنا آسان نہیں۔ اگر ایک کا مقصدِ اصلی حکومت کی گاڑی چلانا، دفتری کاموں میں مہارت اور مادیات سے تعلق پیدا کرنا اور پیٹ کو مقصود زیست بنانا ہے تو دوسرے کا نصب العین حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے اسباب کا حصول، اعلیٰ اخلاقی اقدار کی نشوونما، قناعت کی زندگی اور اعتماد علی اللہ کی نعمت سے سرفرازی ہے۔ ایک ''تعلیم'' سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی تعلیماتِ مقدسہ سے دوری پیدا ہوتی ہے تو دوسری سے آنحضرت ﷺ کی محبت دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اتباع سنت کا جذبہ ابھرتا ہے۔ ایک سے اپنے قابل فخر اسلاف سے رشتہ جڑتا ہے دوسری سے حال و مستقبل کا فکر ذہن پر ایسا مستولی ہوتا ہے کہ اپنے تابناک ماضی سے نفرت ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے نقطہ نظر سے اسلامی تعلیم کے یہ مقاصد بہت بلند ہیں، کما قال اللہ تعالی:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ [المجادلة: ١١]

اس کے مقابلے میں ''جدیدیت'' کا طریقہ پست اور سفلی ہے، کما قال اللہ تعالی:

﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا o ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ [النجم: ٢٩، ٣٠]

ہمارے نزدیک جاذبیت ایسی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو دینی علوم کے مزاج سے مناسبت رکھتی ہو۔ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ کر ساحل مراد سے ہم کنار ہونے کی توقع خام خیالی سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں۔ علاوہ ازیں عربی تعلیم و تعلم کی عمر تیرہ سو سال سے زیادہ ہے، کیا اس کا دامن جذب وانجذاب کے نسخوں سے خالی ہے کہ ہم مصنوعی طریقے تلاش کرتے پھریں اور تجربوں میں حیران و پریشان ہو کر وقت و مال کا ضیاع کریں۔

خیر وجوہ کچھ بھی ہوں، انگریز کے درآمد کردہ تعلیمی نظام کی طرف لپکنے کا نتیجہ کیا نکلا، یہی کہ اس میں ''تشرع وتدین'' کے فقدان کے باعث ہماری قوم کے جواہر پاروں میں جو ''استعدادات مکنونہ'' موجود تھیں وہ دینی شکل میں ''جلوہ گر'' نہ ہو سکیں، اور قوم بہ قول شاہ صاحب رحمہ اللہ ''منافع جلیلہ'' سے محروم ہو گئی۔ اب لائق خطیبوں کا قحط ہے۔ قابل مدرسین کا کال ہے۔ اچھے مصنف ملتے نہیں اور محققین علومِ قرآن وحدیث تو عنقا ہوتے جا رہے ہیں۔ بس چند چراغ ہیں جو ٹمٹما رہے ہیں......!

ہم سمجھتے ہیں اس صورتِ حال کے پیدا ہونے میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے بیان فرمودہ سبب کو بڑا دخل ہے۔ اس کو موضوع بنا کر غور وفکر فرمایا جائے اور ایسے ذرائع کو بروئے کار لایا جائے کہ ملک کے ذہین افراد اور علمی خاندان، دین کا علم عربی کے ذریعے بہ حیثیت دینی علم کے حاصل کرنا شروع کر دیں پھر دیکھیے گا یہ طریق کیسا مثمر برکات ہوتا ہے جیسا کہ ہمارا شاندار ماضی اس پر شاہد عدل ہے۔ واللہ ولی التوفیق.

علامہ محمد بن اسماعیل امیر یمانی صاحبِ سبل السلام شرح بلوغ المرام (م ۱۱۸۲ھ) کے ایک جلیل القدر شاگرد نے ساٹھ برس کی عمر میں قضا کا عہدہ قبول کر لیا۔ اس پر علامہ ممدوح نے ان کو طویل قصیدے کی صورت میں ایک خط لکھا جس کے چند شعر حسب ذیل ہیں:

ذبحت نفسك لكن لا بسكين
كما رويناه عن طه ويٰسين

ذبـحت نفسك والستون قد وفدت
عـليك فـى الـعمر ماذا بعد ستين
ذبـحـت نفسك يا لهفى عليك لقد
كـنـا نـعدك لـلتـقـوى والـديـن
وان تـقـل اكـرهـونـا كـان ذا كذبا
فـنـحـن نـعـرف احوال السلاطين
وان تـقـل حــاجة مست ومسكتة
فــايـن صبـرك مـن حين الى حين
والـلـه وصى به فى الذكر فى سور
كـم فـى الـحواميم منه والطواسين
قـد شد خير الورى فى بطنه حجرا
ولــو اراد أتـــاه كــل مـخــزون
مـا مـات والـلـه جـرعـا عالم ابدا
سـل الـتـواريـخ عـنـــه والـدوادين
سـل الـهـدى والـغـنـى ممن خزائنه
سبـحـانه بين حرف الكاف والنون

(ظفر اللاضى فيما يجب فى القضاء على القاضى)

’’تم نے قاضی بن کر چھری کے بغیر اپنے آپ کو ذبح کر لیا۔ (حدیث نبوی کی طرف تلمیح ہے) ساٹھ برس کی عمر میں یہ تم نے کیا کیا ہے ہم تو تمھیں دین وتقویٰ سے متصف سمجھتے تھے اگر تم فقر وفاقہ سے مجبور ہو گئے تھے تو صبر سے کام لینا چاہیے تھا جس کا حکم قرآن کی متعدد آیات میں ہے، کیا تمھیں نہیں معلوم کہ سرور کائنات ﷺ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ لیے تھے حالانکہ آپ چاہتے تو خزانوں کے ڈھیر لگ جاتے۔ پھر اچھا یہ تو بتاؤ تمھارے سامنے یہ تاریخیں پڑی ہیں کیا کبھی ایسا حادثہ وقوع میں آیا کہ کوئی عالم دین بھوک سے مر گیا ہو؟ ہدایت اور غنا اسی سے طلب کرو جس کے کلمہ کن کے تحت خزانے ہیں۔‘‘

عقائد واعمال

توحید اور اس کی عظمت

میاں محمد جمیل: کنوینر تحریک دعوتِ توحید، پاکستان

توحید کے معانی اور اس کا مفہوم:

توحید کا لفظ "أحـد" سے بنا ہے۔ قرآن مجید اور حدیث شریف میں "أَحَد" اور "واحِد" دونوں طرح استعمال ہوا ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ [إخلاص: ۱]

"کہہ دیجیے: وہ "اللہ" ایک ہے۔"

﴿ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ [البقرة: ۱۶۳]

"تمھارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے۔"

نبی محترم ﷺ نے اپنی دعا میں اسے یوں استعمال فرمایا:

((اللهم إني أسألك بأني أشهد أنك أنت الله لا إله إلا أنت الأحد الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا أحد.)) (ترمذی)

"الٰہی! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق اور مستحق نہیں۔ تُو اکیلا اور بے نیاز ہے۔ نہ تجھے کسی نے جنم دیا اور نہ ہی تُو نے کسی کو جنم دیا ہے اور تیرا کوئی ہمسر نہیں۔ میں تیری ذات اور صفات کے واسطے سے تجھ سے التجا کرتا ہوں۔"

جس طرح توحید کا معنی بڑا آسان ہے اسی طرح اس کا مفہوم بھی بڑا سیدھا سادا ہے کہ "اللہ" کو اس کی ذات اور صفات میں یکتا سمجھتے ہوئے بلاشرکتِ غیرے اس کی عبادت کرنا۔ اسی کا نام توحیدِ خالص ہے اور یہی دنیوی مسائل کا حل اور آخرت میں کامیابی کی ضمانت ہے۔

توحید کی اقسام

توحیدِ ربوبیّت اور توحید اسماء وصفات:

توحیدِ ربوبیّت کو توحیدِ ذات بھی کہا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں تنہا ہے۔ اس کی ذات کے بارے میں دل کے یقین کے ساتھ اقرار اور اظہار کرنا کہ وہ اکیلا ہی زمین و آسمانوں اور ہر چیز کا خالق، مالک، رازق اور بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کوئی اس کائنات کا خالق مالک، رازق اور حقیقی بادشاہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی زندہ یا مردہ، جن اور فرشتے کو اپنی خدائی میں شریک نہیں کیا اور نہ ہی اس نے اپنی خدائی میں کسی کو ذرہ بھر اختیار دیا ہے۔ اس کو توحیدِ ربوبیّت کہا جاتا ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

❀...... ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ [الزمر: ۶۲]

"اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔"

❀...... ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾ [الأنبياء: ۷۳]

"لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے، اسے غور سے سنو! اللہ کو چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ کمزور ہیں مدد چاہنے والے اور جن سے مدد مانگی جاتی ہے وہ بھی۔"

❀...... ﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴾ [فاطر: ۱۳]

’’وہ دن میں رات اور رات میں دن داخل کرتا ہے، چاند اور سورج کو اُسی نے مسخر کر رکھا ہے، ہر کوئی وقتِ مقرر کے لیے چلا جا رہا ہے، وہی اللہ تمھارا رب ہے، بادشاہی اُسی کی ہے، اس کے سِوا جن کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے پردے کے بھی مالک نہیں ہیں۔‘‘

❀...... ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ [يونس : ٣١]

’’فرما دیں: کون ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے! کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے! اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے! اور کون ہے جو ہر کام کی تدبیر کرتا ہے! تو وہ کہیں گے: اللہ تعالیٰ۔ تو فرما دیں: پھر کیا تم اس کے ساتھ شرک کرنے سے ڈرتے نہیں؟‘‘

❀...... ﴿فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ [يٰس : ٨٣]

’’پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹ کر جانے والے ہو۔‘‘

جب خالق، مالک، رازق اور حقیقی بادشاہ اللہ تعالیٰ کو مان لیا تو پھر اس کا فرمان بھی ماننا چاہیے۔ اس کا فرمان ہے کہ مجھے ان ناموں اور صفات کے ساتھ پکارا جائے جن کے ساتھ تمھیں پکارنے کا حکم دیا گیا ہے کیوں کہ اس کی ذاتِ عالی کو یہی نام اور صفات زیبا ہیں:

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ [الأعراف : ١٨٠]

’’اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں بس اسے انھی ناموں کے ساتھ پکارا جائے۔‘‘

توحیدِ الوہیت:

الٰہ کا معنی ہے ایسی ذات جس سے والہانہ محبت کرتے ہوئے عاجزانہ انداز میں اس کی عبادت کی جائے۔

قرآن مجید کے ارشادات پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ توحیدِ ربوبیّت اور توحیدِ اسماء وصفات کے جتنے بھی دلائل ہیں وہ توحیدِ الوہیّت کے اثبات کے لیے ہیں۔

اس کی تائید میں سورۃ النمل کی آیات ٦١ تا ٦٤ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

’’اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں دریا چلائے اور اس میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں اور دو دریاؤں کے درمیان پردہ حائل کر دیا، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ کون ہے جو مجبور کی دعا سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور کون مجبور کی تکلیف دور کرتا ہے؟ اور کون ہے جو تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے بہت تھوڑے لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ اور کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تمھیں راستہ دکھاتا ہے اور کون بارش سے پہلے خوش خبری دینے کے لیے ہوائیں چلاتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ ہے؟ اس کے باوجود مشرک اللہ بلند وبالا کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہیں۔ اور وہ کون ہے جس نے مخلوق کی ابتدا کی اور پھر اسے لوٹائے گا اور کون تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟ فرما دیں کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔‘‘

توحید کی اہمیت

توحید کی اہمیت جاننے کے لیے لازم ہے کہ ہم ان حالات کا مطالعہ کریں جن حالات میں انبیائے کرام کو مبعوث کیا گیا تھا۔ قرآن مجید ہمارے سامنے یہ حقیقت کھول کر بیان کرتا ہے کہ ہر نبی کی بعثت سے پہلے اس کی قوم گمراہی کے آخری درجے پر پہنچ چکی تھی۔ ہر قوم کی بدقسمتی کی انتہا یہ تھی کہ اس کے سیاسی اور مذہبی راہنما اپنی قوم کے دینی اور دنیاوی مسائل حل کرنے میں بالکلیہ ناکام ہو چکے تھے۔ ان حالات میں رسول کی بعثت عمل میں لائی جاتی اور جس شخصیت کو بھی

اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنایا وہ ظاہری اور جوہری اعتبار سے اپنے دور کی منفرد اور ممتاز شخصیت ہوا کرتا تھا۔ اس دور میں بے شمار ہنگامی مسائل موجود ہوتے تھے۔ مگر کسی نبی نے اپنی دعوت کا آغاز وقتی اور ہنگامی مسائل سے نہیں کیا۔ ہر نبی نے مسائل کا حل عقیدۂ توحید کی درستگی کو قرار دیا۔ بعید ترین ماضی کی بجائے نبی کریم ﷺ کی بعثت کے حالات پر غور فرمائیں۔ آپ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا کے لوگ بالخصوص عرب اخلاقی، سماجی معاشی اور سیاسی مسائل میں اس طرح گھرے ہوئے تھے کہ ہر مسئلہ اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔

عورتوں کو پاؤں کی جوتی تصور کیا جاتا تھا یہاں تک کہ غیرت کے نام پر بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا۔ غلاموں پر ظلم کی انتہا یہ تھی کہ گویا وہ جانور ہیں اور اس بنا پر انھیں انسانیت کے دائرے سے خارج کر دیا گیا۔ امن وامان کی صورتِ حال اس قدر ناگفتہ بہ ہو چکی تھی کہ قافلوں کے قافلے لوٹ لیے جاتے۔ غربت کا عالم یہ تھا کہ عربوں کی اکثریت دو وقت کی روٹی کی تلاش میں سرگرداں رہتی تھی۔ لوگ مسائل کے بھنور میں اس طرح پھنس چکے تھے کہ اس سے نکلنے کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی تھی:

❀...... ﴿ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ [النور: ٤٠]

''اندھیروں پر اندھیرے چھائے ہوئے۔ وہ اپنا ہاتھ نکالے تو اسے دیکھ نہ پائے جسے اللہ روشنی عطا نہ کرے اس کے لیے روشنی کہاں ہوگی؟''

❀...... ﴿وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ [الجمعه: ٢]

''اگرچہ اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے۔''

ان حالات میں آپ ﷺ سے اعلان کروایا گیا:

❀...... ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ﴾ [الاعراف: ١٥٨]

''اے نبی! فرما دیں اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنایا گیا ہوں وہ اللہ جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، پس اللہ اور اس کے نبی پر ایمان لاؤ۔''

❀...... ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِo﴾ [إبراهيم: ١]

''یہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں اور اس کے راستے کی طرف بلائیں جو غالب اور بڑا لائق تعریف ہے۔''

دعوت کا شدید ردّعمل:

اگر اللہ کے نبی چاہتے تو کسی ایک ہنگامی مسئلے پر لوگوں کو جمع کر سکتے تھے اور یہ آسان طریقہ اور راستہ ہوتا مگر آپ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز اسی نکتے سے کیا جس نکتے سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام نے دعوت کا آغاز کیا تھا کیوں کہ یہی فطری اور اصل طریقہ تھا اور ہے۔ یہی وہ نسخۂ کیمیا ہے جس سے تڑپتی ہوئی انسانیت سکون پاتی ہے اور ہر کوئی اپنے فرائض کی ادائیگی پر لگ جانے کی وجہ سے اپنے حقوق پاتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز اللہ کا خوف اختیار کرنے اور ''قولوا: لا إله إلا الله'' سے کیا اور یہی آپ کو حکم ہوا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُo قُمْ فَاَنْذِرْ o وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ [المدثر: ١-٣]

''اے کپڑا اوڑھ کر لیٹنے والے! اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔''

❀...... ''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: لما نزلت: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ خرج النبي ﷺ

حتى صعد الصفا فجعل ينادي: ((يا بني فهر! يا بني عدي!)) لبطون قريش حتى اجتمعوا فجعل الرجل إذا لم يستطع أن يخرج أرسل رسولا لينظر ما هو فجاء أبولهب وقريش فقال: ((أرأيتم إن أخبرتكم أن خيلا تخرج من سفح هذا الجبل)) وفي رواية ((أن خيلا تخرج بالوادي تريد أن تغير عليكم، أكنتم مصدقي؟)) قالوا: نعم، ما جربنا عليك إلا صدقا. قال: ((فإني نذير لكم بين يدي عذاب شديد.)) قال أبو لهب: تبا لك، ألهذا جمعتنا، فنزلت: ﴿تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾"

(صحيح بخاری)

"عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ "آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔" تو نبی ﷺ نکلے اور صفا پہاڑی پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ ﷺ نے آواز پر آواز دی: "اے بنوفہر! اے بنوعدی!" اسی طرح آپ ﷺ نے قریش کے تمام قبائل کو پکارا یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کے ہاں جمع ہو گئے۔ جو شخص نہ آسکا تو اس نے معاملہ معلوم کرنے کے لیے اپنا نمائندہ بھیج دیا۔ ابولہب اور قریش کے لوگ بھی آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے بتاؤ، اگر میں تمھیں کہوں کہ اس پہاڑ کی اوٹ سے ایک لشکر نکل رہا ہے۔" دوسری روایت میں ہے: "ایک لشکر وادی سے نکل کر تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟" سب نے ہاں میں جواب دیا اور کہا کہ ہم نے آپ ﷺ کے بارے میں ہمیشہ سچائی کا تجربہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تمھیں اس شدید عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمھیں پیش آنے والا ہے۔" یہ سن کر ابولہب کہنے لگا: تُو تباہ ہو جائے، کیا تُو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی: "ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ و برباد ہو جائے ...... الخ"

❀...... ﴿وَعَجِبُوْا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا﴾ [ص: ٤-٧]

"ان لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ انھی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا ہے، کافر کہنے لگے کہ یہ ساحر ہے اور بڑا جھوٹا ہے۔ کیا اس نے تمام معبودوں کی جگہ بس ایک ہی معبود بنا لیا ہے، یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ قوم کے سردار یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ لوگوں کو سمجھاؤ کہ اپنے معبودوں پر قائم رہو، یہ بات تو کسی خاص مقصد کے لیے کہی جا رہی ہے۔ یہ بات ہم نے پہلے زمانے میں کسی سے نہیں سنی، یہ تو ایک بناوٹی بات ہے۔ کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص رہ گیا تھا جس پر اللہ کا ذکر نازل کیا گیا ہے۔"

❀...... ﴿وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ﴾ [القلم: ٥١]

"جب یہ کافر لوگ نصیحت سنتے ہیں تو تمھیں ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں کہ گویا تمھارے قدم اُکھاڑ دیں گے اور کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔"

❀...... ﴿وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝﴾ [الجن: ١٩]

"اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اس کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔"

❀ ...... ﴿وَ قَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُo﴾ [ابراهيم: ٤٦]

''اور یقیناً انھوں نے اپنی ساری چالیں چلیں مگر ان کی ہر چال کا توڑ اللہ کے پاس تھا اگرچہ ان کی چالیں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ ٹل جائیں۔''

''عن طارق بن عبد الله قال: إني لقائم بسوق المجاز إذ أقبل رجل عليه جبة له وهو يقول: ((يا أيها الناس! قولوا: لا إله إلا الله تفلحوا.)) ورجل يتبعه يرميه بالحجارة يقول: يا أيها الناس! إنه كذاب فلا تصدقوه، فقلت: من هذا؟ قال: هذا غلام من بني هاشم الذي يزعم أنه رسول الله. قال: فقلت: من هذا الذي يفعل به هذا؟ قال: هذا عمه عبد العزى.'' (رواه البيهقي في دلائل النبوة: باب قدوم طارق بن عبد الله وأصحابه على النبي ﷺ)

''طارق بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ کے مجاز نامی بازار میں کھڑا تھا ایک آدمی بازار میں داخل ہوا اور وہ جبہ پہنے ہوئے تھا۔ وہ کہہ رہا تھا: ''اے لوگو! اس بات کا اقرار کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، فلاح پا جاؤ گے۔'' دوسرا آدمی اُس کے پیچھے پیچھے اُسے پتھر مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا: لوگو! اِس جھوٹے کی بات کو نہ مانو۔ میں نے پوچھا: یہ دعوت دینے والا کون ہے؟ اُس نے کہا: یہ بنی ہاشم کا ایک فرد ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتا ہے میں نے پوچھا: جو اُسے پتھر مار رہا ہے وہ کون ہے؟ اُس نے کہا یہ اُس کا چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) ہے۔''

توحید مسائل کا تریاق اور نبی معظم ﷺ کی طرف سے پانچ ضمانتیں:

شدید ردِ عمل سامنے آنے کے باوجود آپ ﷺ نے لوگوں کو ان کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل کے حل کی ضمانت دی۔ یہاں تک کہ انھیں ان کے سابقہ جرائم کی معافی کا مژدہ سنایا اور جنت کی گارنٹی دی۔

۱۔ سابقہ جرائم کی معافی:

''عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال: أتيت النبي ﷺ فقلت: ابسط يمينك فلأبايعك، فبسط يمينه، قال: فقبضت يدي، قال: ((ما لك يا عمرو!)) قال: قلت: أردت أن أشترط، قال: ((تشترط بماذا؟)) قلت: أن يغفرلي قال: ((أما علمت أن الإسلام يهدم ما كان قبله وأن الهجرة تهدم ما كان قبله وأن الحج يهدم ما كان قبله.))'' (صحيح مسلم)

''حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اپنا دایاں ہاتھ آگے کریں تاکہ میں آپ ﷺ کی بیعت کروں۔ آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ آگے کیا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''اے عمرو! کیا ہوا ہے؟'' میں نے عرض کی کہ ایک شرط کے ساتھ بیعت کروں گا۔ ارشاد ہوا کہ وہ کون سی شرط ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ فرمایا: ''عمرو! تُو نہیں جانتا کہ یقیناً اسلام پہلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے؟ اسی طرح ہجرت کرنے سے بھی پہلے گناہ ختم ہو جاتے ہیں اور یقیناً حج سے بھی سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''

۲۔ امن وامان اور غربت کے خاتمے کی گارنٹی:

''عن عدي بن حاتم رضی اللہ عنہ يقول: كنت عند رسول الله ﷺ فجاءه رجلان أحدهما يشكو العيلة والآخر يشكو قطع السبيل، فقال رسول الله ﷺ: ((أما قطع السبيل فإنه لا يأتي

عليك إلا قليل حتى تخرج العير إلى مكة بغير خفير وأما العيلة فإن الساعة لا تقوم حتى يطوف أحدكم بصدقته لا يجد من يقبلها منه))" (صحيح بخاري)

''عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، آپ ﷺ کے پاس دو آدمی آئے۔ایک نے غربت کی شکایت کی اور دوسرے نے امن وامان کے تہ وبالا ہونے کا شکوہ کیا۔جس نے راستے کے کٹ جانے، یعنی امن و امان کے نہ ہونے کی شکایت کی اس کا جواب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب ایک وقت آئے گا کہ بغیر حفاظتی گارڈز کے مکہ سے قافلے نکلیں گے، یعنی امن وامان قائم ہوجائے گا۔ جہاں تک کہ غربت کا معاملہ ہے تو قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتی کہ تم اپنے صدقے کو لے کر چکر لگاؤ گے اور تمھیں کوئی صدقہ قبول کرنے والا نہیں ملے گا۔''

٣۔ سیاسی اقتدار کی ضمانت:

((يا أيها الناس! قولوا: لا إله إلا الله تفلحوا وتملكوا بها العرب وتدين لكم بها العجم.)) (الرحيق المختوم : باب البشارات بالنجاح)

''اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ پڑھ لو، کامیاب ہوجاؤ گے،اس کے ذریعے تم عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم کے لوگ تمھارے مطیع ہوجائیں گے۔''

جنت میں داخلے کی ضمانت:

❀...... "عن وهب بن منبه رحمه الله قيل له: أليس "لا إله إلا الله" مفتاح الجنة؟ قال: بلى ولكن ليس مفتاح إلا وله أسنان، فإن جئت بمفتاح له أسنان فتح لك." (رواه البخارى فى ترجمة الباب)

''حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے کسی نے یہ سوال کیا کہ لا الہ الا اللہ جنت کی چابی نہیں ہے؟ انھوں نے فرمایا: کیوں نہیں؟ لیکن ہر چابی کے دندانے (پیچ) ہوا کرتے ہیں اگر تُو پیچ دار چابی سے تالا کھولے گا تو کھل سکتا ہے (بہ صورتِ دیگر تیرے لیے دروازہ نہیں کھل سکتا۔)''

❀...... "عن معاذ بن جبل رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((من كان آخر كلامه لا إله إلا الله، دخل الجنة." (سنن أبي داود)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا: جس کا آخری کلام لا إله إلا الله ہوا وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

❀...... ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَo نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَo نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍo﴾ [حمٓ السجدة: ٣٠-٣٢]

''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں، وہ ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو بلکہ اُس جنت کے بارے میں خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی تمھارے ساتھی ہوں گے، وہاں جو چاہو گے تمھیں ملے گا اور جس چیز کی تمنا کرو گے اُسے پاؤ گے۔ یہ مہمان نوازی اُس رب کی طرف سے ہے جو بڑا غفور رحیم ہے۔''



عیداور فقراء ومساکین

محمد نعیم خان، ٹوبہ ٹیک سنگھ

انسان نے جب اس دنیائے فانی میں آنکھ کھولی تو اس کو معصوم فرشتے سے تشبیہ دی گئی۔ وہ کون سے عوامل تھے کہ انسان کو اس طرح سے یاد کیا جانے لگا؟ اس کے پیچھے اللہ کی نوید تھی:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ [التین: ٤]

''ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔''

یہی وجہ تھی کہ کبھی اس کو چاند کا ٹکڑا کہا گیا، کبھی پھول جیسا نازک اندام تو کہیں آنکھوں کا تارا کہا گیا۔ رب العزت نے انسان کو اشرف المخلوقات ایسے لقب سے نوازا کہ کسی اور مخلوق کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہوسکا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرتاً معصوم پیدا کیا۔ اس کے دل میں نرم گوشہ رکھا کہ مسلمان بھائی کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپ جائے۔ پریشان حال کی پریشانی دور کرنے میں مدد دے۔ قرض دار بھائی کے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے۔ بے کسوں کا سہارا بنے۔ فقیروں اور مسکینوں پر دست شفقت رکھے۔ اپنے مسلمان بھائی کے رنج والم دُور کرنے کی مقدور بھر سعی کرے اور ایسی بہت سی صفات انسان میں رکھیں جو کسی اور مخلوق میں بالکل مفقود ہیں۔

اللہ کی ذات نے اپنے فقیر اور مسکین بھائیوں کی دامے، درمے، سخنے امداد کے لیے مسلمانوں پر بہت زور دیا کہ ان کا خیال بھی اسی طرح رکھو جیسے اپنے اہل وعیال کا رکھتے ہو۔ قرآن گواہی دے رہا ہے:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ﴾ [التوبة: ٦٠]

''صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے، ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے دل پرچائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لیے اور راہِ خدا میں اور راہرو مسافروں کے لیے، فرض ہے اللہ کی طرف سے، اللہ علم وحکمت والا ہے۔''

صفحۂ قرطاس پر لکھی گئی آیت میں صدقات کی تقسیم تقریباً سات قسم کے لوگوں پر بیان کی گئی ہے۔ لیکن موقع کی مناسبت سے صرف دو پر خامہ فرسائی کی جارہی ہے تاکہ عید سے قبل ہم اپنی زکاۃ اور صدقات کے صحیح مصرف سے آگاہ ہوسکیں۔

اس آیت میں یہ بات واضح ہورہی ہے کہ اللہ کی طرف سے مسلمانوں پر صدقات کا ادا کرنا فرض ہے اور جو اس کی ادائیگی میں حیل وحجت سے کام لے گا بارگاہِ الٰہی میں جواب دہ ہوگا۔

افسوس اس بات پر ہے کہ جوں جوں انسان کے پاس دولت زیادہ ہوتی ہے اُس سے دُگنی رفتار کے ساتھ وہ احکامِ خداوندی سے روگردانی شروع کردیتا ہے۔ دولت کی چکا چوند اور زعم میں شریعت محمدی ﷺ کو پامال کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے۔ صدقہ وخیرات کی طرف توجہ قصہ پارینہ بنتی جارہی ہے۔ یہ سب عیب اس معصوم فرشتہ صفت انسان میں ماحول کی آلودگی اور گردپیش کے حالات کی وجہ سے سرایت کرجاتے ہیں جس سے وہ سنگ دل بن جاتا ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فقراء ومساکین سے متعلق اہل علم حضرات کے اقوال نقل کرتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسکین، فقیر سے بھی برے حال والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے ہاتھ تلے مال نہ ہو اُس کو فقیر نہیں کہتے بلکہ

فقیر وہ ہے جو محتاج ہو کر گر پڑا ہو، گو کچھ کھاتا پیتا بھی ہو۔ ابن علیہ کہتے ہیں اس روایت میں اخلق کا لفظ ہے۔ اخلق کہتے ہیں ہمارے نزدیک تجارت کو۔ لیکن جمہور اس کے بر خلاف ہیں اور بہت سے حضرات فرماتے ہیں: فقیر وہ ہے جو سوال سے بچنے والا ہو اور مسکین وہ ہے جو سائل ہو۔ لوگوں کے پیچھے لگنے والا اور گھروں اور گلیوں میں گھومنے والا۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: فقیر وہ ہے جو بیماری والا ہو، اور مسکین وہ ہے جو صحیح سالم جسم والا ہو۔ ابراہیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: مراد اس سے مہاجر فقراء ہیں۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں، یعنی دیہاتیوں کو اس میں سے کچھ بھی نہ ملے۔ عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسلمان فقراء کو مسکین نہ کہو، مسکین تو صرف اہل کتاب کے لوگ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

ان تمام اقوال کی روشنی میں یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ فقراء ومساکین کی نظریں مال داروں کے ہاتھوں کی طرف ہوتی ہیں کہ کب وہ صدقہ وخیرات کریں اور وہ خدا کی نعمتوں سے مستفید ہوسکیں جس کو دولت ایسی نعمت دی جاتی ہے اس کو دولت کے صحیح مصرف کی تعلیم بھی دی جاتی ہے نہ کہ وہ شیطان کے راستوں پر چل کر آخرت میں خسارہ اٹھائیں۔

فقراء ومساکین کی دلجوئی، امداد اور کاروانِ حیات میں عزت واحترام دلوانے میں مدد دینے کے لیے مسلمانوں پر یہ فرض عائد کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے صدقات وغیرہ فقراء ومساکین کو دیں تاکہ وہ صدقات کا صحیح استعمال کرتے ہوئے اس قابل ہو جائیں کہ معاشرے میں عزت سے زندگی گزار سکیں۔ صدقات ادا کرتے ہوئے یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ہاتھ پھیلانے والا تندرست وتوانا تو نہیں۔ دھوکا دے کر مستحق افراد کی حق تلفی تو نہیں کر رہا۔ قلب کو راحت وسکون حاصل ہو کہ صدقہ ادا کرتے ہوئے فقراء ومساکین کی حق تلفی اور ان سے زیادتی نہیں ہوئی۔ اسی ضمن میں ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، صدقہ مال دار اور تندرست وتوانا پر حلال نہیں۔ دو شخصوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقہ کا مال مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغور نیچے سے اوپر تک انھیں ہٹا کٹا قوی وتندرست دیکھ کر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو تمھیں دے دوں لیکن امیر شخص کا اور قوی طاقتور کماؤ شخص کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس حدیث کی روشنی میں صدقات ادا کرتے ہوئے اچھی طرح تسلی کر لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آج کل دھوکا دہی اس قدر عام ہے کہ ہر ایک اپنے آپ کو فقیر اور مسکین بنائے پھرتا ہے۔

اللہ رب العزت کی مال داروں کے لیے یہ واضح ہدایات ہیں کہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ اور صدقات ادا کرو تاکہ تمھارا مال پاک وصاف ہو جائے اور تم پر مصائب وآلام سایہ فگن نہ ہوسکیں۔

احادیث میں یہ بات ملتی ہے کہ مال دار اپنی محنت، عقل وفراست اور تدبر سے منافع حاصل نہیں کرتے بلکہ ان فقراء ومساکین کی دعائیں ان کے شامل حال ہوتی ہیں کہ صدقہ وخیرات وصول کرتے ہوئے ان کے منہ سے نکلتی ہیں۔

مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گمان کیا سعد نے کہ یہ اُس کو فضیلت ہے اوپر اس کسی کے کم تر ہے اس سے۔ پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں مدد کیے جاتے تم اور نہیں رزق دیے جاتے مگر ان ضعیفوں کی برکت سے۔ (مشکاۃ: ۲۶)

دولت منداس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ ان کو فتح ان کی شجاعت وتدبر سے حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی روزی ان کی مقدور بھر کوششوں سے حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ تو مسکینوں اور غریبوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انعامات سے نوازا ہے کہ اس کی دولت میں کمی واقع نہیں ہوتی۔

خوشی کا کوئی بھی تہوار جوں جوں نزدیک آتا ہے فقراء ومساکین کی نظریں مال داروں اور سخی دل انسانوں کے دروازوں کی دربان میں جاتی ہیں۔ ہر آہٹ پر چونک اٹھنا فطری عمل ہوتا ہے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اپنے بچوں کی ننھی ننھی خوشیاں ہوتی ہیں جو امیروں کے صدقات سے وابستہ ہوتی ہیں۔

سورۃ البقرہ میں صدقات کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک رکوع نازل کیا۔ ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی اخلاص، نیک نیتی اور خودنمائی سے محفوظ رہتے ہوئے اللہ کی راہ

میں خرچ کرے اور نہ ان کو سنائے اور نہ ہی ان پر احسان جتلائے بلکہ پورے اعتماد واعتقاد کے ساتھ اس کا اَجر اللہ کی ذات ضرور دے گی تو اللہ تعالیٰ ان کو ایک کے بدلے سات سو نیکیاں عطا فرمائیں گے اور دنیا میں ان کے مال ودولت میں زیادتی ہوگی اور ہمیشہ خوش حال ومسرور رہیں گے۔

جہاں تک فقراء ومساکین کی دلجوئی کے لیے صدقات وزکاۃ کی ادائیگی کے سلسلے میں نویدیں آئی ہیں، وہیں کنجوس اور بخیل لوگوں کے لیے وعیدیں بھی ہیں کہ ان کا حشر روزِ قیامت کیا ہوگا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

((ما من يوم يصبح العباد فيه إلا ملكان ينزلان فيقول أحدهما اللهم أعط منفقا خلفا ويقول الاخر أللهم أعط ممسكا تلفا .)) (بخاري، مسلم)

''روزانہ ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں۔ ایک یہ دعا دیتا ہے کہ الٰہی تو سخی اور خرچ کرنے والے کے مال میں زیادتی اور برکت دے۔ اَور دوسرا کہتا ہے کہ نہ دینے والے کنجوس اور بخیل کے مال میں کمی کردے اوراس کو برباد کردے۔''

اس نوید ووعید کے ساتھ ہی حضور ﷺ نے دولت مند سخی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے لیے اللہ کی طرف سے نوید بھی سنا دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قال الله تعالى يا ابن ادم أنفق انفق عليك .)) (بخاري)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اے انسان تو (میری راہ میں) خرچ کر کہ میں تیرے اوپر خرچ کروں گا۔''

درج بالا قرآنی آیات واحادیث کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح ہم پر واضح ہوگئی کہ دولت مند، سخی اور صاحب ثروت لوگ اپنے صدقات وزکاۃ وغیرہ فقراء ومساکین کو دیں تاکہ ان کے ننھے منھے بچے بھی ہمارے بچوں کی طرح خوشیوں سے لطف اٹھا سکیں۔ اپنی معصوم خواہشوں کو پورا کرسکیں۔ فقراء ومساکین التجائیں نہیں کرتے بلکہ ان کی آنکھیں اور چہرے ان کی حالت زار کی بے بسی کا منہ بولتا ثبوت ہوتے ہیں۔ ہمیں ان کی امداد اس اعتماد واعتقاد کے ساتھ کرنا چاہیے کہ اللہ رب العزت ہمارے صدقات وخیرات کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے جو وعدے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فقراء ومساکین کے ساتھ امداد کی صورت میں کیے ہیں وہ ضرور پورے ہوکر رہیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیں۔ دوسری شکل میں زبانِ شاعر ع

ورنہ یہ عمر بھر کا سفر رائیگاں تو ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔



دعائے مغفرت

بابا جی گلزار احمد وان سوتری والے گزشتہ دنوں ڈونگہ بونگہ ضلع بہاولنگر میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم شب زندہ دار، تہجد گزار تھے۔ ان کی نماز جنازہ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے پڑھائی۔ احباب دعائے مغفرت فرمائیں۔ (حکیم عبدالستار، ڈونگہ بونگہ)



تذکرہ علمائے اہل حدیث

مولانا ابوحریز عبدالعزیز ملتانی رحمہ اللہ

حافظ ریاض احمد عاقب

ملتان شہر کے پانچ علمائے کرام مولانا عبدالتواب، مولانا عبدالحق، مولانا عبدالعزیز، مولانا عبدالبر اور مولانا عبدالغفار کو مولانا سیّد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ ویسے اگر مولانا عبدالوہاب ملتانی اور مولانا ابراہیم جلال پوری کو بھی میاں صاحب کے ملتانی تلامذہ میں شامل کرلیا جائے تو تعداد سات بن جاتی ہے لیکن خاص شہر ملتان کے مذکورہ پانچ علمائے کرام ہی ہیں جنھیں میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے موقع عنایت فرمایا۔ مؤخر الذکر دونوں شیوخ کا خاص ملتان شہر سے تعلق نہ تھا۔ مولانا عبدالوہاب ملتانی ثم دہلوی ملتان کے مضافاتی علاقے مبارک آباد میں اقامت پذیر تھے، پھر وہ دہلی رخت سفر باندھ گئے اور وہاں کے مستقل رہائشی بن گئے۔

مولانا ابراہیم بن عبداللہ چکڑوالوی ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ سند حدیث سیّد نذیر حسین محدث دہلوی سے حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہوکر خان گڑھ (ضلع مظفر گڑھ) آ گئے۔ بالآخر جلال پور پیروالا میں سکونت اختیار کرلی اور وہیں ۲۰/ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ (۱۷/ اگست ۱۹۹۹ء) کو وفات پائی۔

مولانا سلطان محمود افغانی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے: مولانا عبدالعزیز ملتانی اور مولانا عبدالحق ملتانی اور ایک بیٹی عطا کی۔ اس مضمون میں ہم مولانا محمود افغانی رحمہ اللہ کے بڑے فرزند ارجمند مولانا ابوحریز عبدالعزیز ملتانی کا ذکر خیر کریں گے۔ بعون اللہ و توفیقہ

مولانا عبدالعزیز ملتانی کے بارے میں نگارشات پیش کرنے سے قبل یہاں میں قارئین کرام کو آگاہ کرتا چلوں کہ عبدالعزیز کے نام سے ملتان شہر کے تین اہل حدیث علماء ہوگزرے ہیں:

۱: مولانا ابوحریز عبدالعزیز ملتانی بن مولانا سلطان محمود افغانی: جن کا تذکرہ یہاں مقصود ہے۔

۲: مولانا ملک عبدالعزیز مناظر ملتانی: ملتان کی جانی پہچانی علمی شخصیت تھے۔ آپ کی کنیت بھی ابوالحریز تھی۔ آپ مولانا عبدالتواب ملتانی اور مولانا عبدالحق ملتانی کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

۳: مولانا عبدالعزیز عالمگیری: موصوف ملتان کے جنوب میں واقع موضع عالمگیر میں سکونت پذیر تھے۔ آپ بھی مولانا عبدالحق ملتانی کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

مولانا عبدالعزیز بن مولانا سلطان محمود ملتانی کے بارے میں تلاش بسیار کے باوجود مفصل معلومات حاصل نہیں ہوسکیں، لعل اللہ یحدث بعد ذلك أمرا. تاہم جہد مسلسل وبلیغ سے مولانا موصوف کے جو احوالِ زیست سامنے آئے ہیں وہ حاضر خدمت ہیں۔

۱۸۶۸ء کے لگ بھگ مولانا عبدالعزیز اس جہانِ رنگ وبو میں آئے۔ جس گھر میں مولانا عبدالعزیز نے آنکھ کھولی وہ علم وادب کا گہوارہ بنا تھا۔ تشنگانِ علم وعرفان اپنی پیاس بجھانے میں مصروف تھے۔ گویا مولانا موصوف نے علم وادب کی آغوش میں پرورش پائی۔ آپ کے والد گرامی اپنے وقت کے جید عالم دین، نامور مبلغ اور بہترین مدرس تھے۔ مولانا عبدالعزیز کی غیر معمولی قابلیت، ذہانت، علم دوستی اور علوم اسلامیہ میں ذوق ورغبت بچپن ہی سے نمایاں تھی۔ آپ کے والد محترم نے بیٹے کے فطری رجحانات کا صحیح اندازہ کرکے آپ کی تعلیم وتربیت کا خاص انتظام کیا۔ مولانا ممدوح نے قرآنِ مقدس کے ساتھ ساتھ تمام مروّجہ درسی کتب کی تعلیم اپنے والد گرامی

سے حاصل کی۔

مولانا میاں نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں:

مولانا ممدوح اپنے والد گرامی سے تکمیل تعلیم کے بعد مزید تعلیم کے حصول کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان دنوں دہلی میں سیّد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کی علمیت کے خوب چرچے تھے، چنانچہ مولانا سلطان محمود افغانی نے اپنے اس بیٹے کو میاں صاحب رحمہ اللہ کی دانش گاہ میں روانہ کر دیا۔ مولانا سیّد نذیر حسین اپنے وقت کے عظیم محدث، نام ور شیخ، کامیاب مدرس اور بہترین مصلح تھے۔

موصوف ۱۲۲۰ھ کو سورج گڑھ (ضلع مونگیر، صوبہ بہار) میں پیدا ہوئے۔ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ مروجہ درسی کتب اپنے وقت کے جید علمائے کرام سے پڑھیں۔ کتب احادیث کا درس مسند رحیمیہ کے وارث شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی رحمہ اللہ سے لیا۔ علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کر کے درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ جب مکہ مکرمہ روانہ ہونے لگے تو اپنے تلمیذ خاص مولانا سیّد نذیر حسین دہلوی کو مسند رحیمیہ کا جانشین مقرر کر گئے۔

شیخ موصوف نے ساٹھ سال مسند تدریس پر بیٹھ کر مختلف علوم وفنون کے ساتھ ساتھ کتب ستہ بالخصوص صحیح بخاری کا درس دیا۔ دور دراز سے تشنگانِ علم وادب آپ کی مجلس علمی میں کشاں کشاں تشریف لاتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔

سیّد صاحب کے بارے علامہ عبدالحی حسنی رقم طراز ہیں:

”وإني حضرت دروسه سنة اثنى عشرة وثلاث مائة ألف فوجدته إماما جوالا في الحديث والقرآن، حسن العقيدة، ملازما للتدريس ليلا ونهارا، كثير الصلاة والتلاوة والتخشع والبكاء.“ (نزهة الخواطر: ٨/ ٤٩٨)

”راقم ۱۳۱۲ھ کو آپ کے دروس میں حاضر ہوا تھا۔ میں نے ان کو قرآن وحدیث کا امام، اچھے عقیدہ والا، دن رات تدریس میں مصروف، کثرت سے نماز وتلاوت کرنے والا اور عاجزی وگریہ زاری کرنے والا پایا۔“

سیّد صاحب رحمہ اللہ تدریس کے ساتھ ساتھ فتاویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف کے ساتھ بھی شغف رکھتے تھے۔ آپ کی خدمات جلیلہ اور مساعی حسنہ کا دائرۂ کار وسیع تر ہے۔ موصوف ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۲ء کو دہلی میں بہ قضائے الٰہی وفات پا گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

مولانا میاں نذیر حسین محدث دہلوی کی سوانح حیات پر کئی کتب بازار میں دستیاب ہیں۔ ہمارے بزرگ محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی نے اپنی کتاب ”دبستانِ حدیث“ میں تفصیل کے ساتھ میاں صاحب رحمہ اللہ کے احوالِ زیست زیب قرطاس کیے ہیں۔ شائقین مذکورہ کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔ یہاں اختصار سے ان کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام مولانا عبدالعزیز ملتانی کے شیخ کی علمیت سے مطلع ہوسکیں۔

ہمارے ممدوح مولانا عبدالعزیز ملتانی ۱۲۸۱ھ کے پس وپیش حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں ان کے افاداتِ علمیہ سے مستفید ہوتے رہے۔ جس طرح ”فتاویٰ نذیریہ“ میں ان کے رقم کردہ فتاویٰ جات سے مترشح ہوتا ہے۔ مولانا عبدالعزیز ملتانی ایک جید عالم دین، علوم اسلامیہ کے فاضل، ماہر فتاویٰ نویس اور مطالعہ کتب کے بے حد شائق تھے۔ دہلی میں قیام کے دوران آپ اپنے والد مکرم مولانا سلطان محمود افغانی سے خط کتابت کیا کرتے تھے۔ آپ کے مکتوبات میں سے ایک مکتوب گرامی شیخ محترم مولانا محمد رفیق اثری حفظہ اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ یہ خط جہاں ہمیں آپ کے ذوقِ مطالعہ، علمی شغف، اعلیٰ مقصد کے حصول میں مشغول اور نرم گوشہ رکھنے والے ایک جید عالم کے بارے معلومات فراہم کرتا ہے وہاں ہمیں آپ کے ایک عمدہ خوش نویس شخصیت ہونے کا پتا بھی دیتا ہے۔ آیئے وہ نامہ گرامی ہم پڑھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب ابویم صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دعا گو وطبع پرسی سے گزارش یہ کہ آپ کا رقعہ فرحت افزا پہنچا۔ بسبب قلت فرصت تراخی بجواب ہوئے، معاف فرمایئے گا۔ اشیاء مطلوبہ حسب اتفاق بعد رمضان برفاقت حجاج ضرور ارسال کیجیے گا۔ خصوصاً دونوں کتابوں کا بطریق اولیٰ خیال رکھیں، لنگی مع اشیاء مرسلہ مرادنگر سے پارسل پہنچ گئیں۔ باقی نور محمد کو تین روپے کا لکھا تھا سو اب تک وہ شخص میرے پاس نہیں لایا۔ دیکھا جائے۔ حسب ارشاد آپ کی کھانڈ اور دودھ وغیرہ کی تجویز کرلی، تشفی رکھیں۔ تلخیص اور دارقطنی مع رسائل مجھے مل گئیں، فکر نہ کریں۔ تفسیر سنوی چھپ کرمل گئی ہے، حسب موقع ارسال کی جائے گی۔ اور ہر وجہ سے خیریت ہے۔

ایک گزارش اعظم خدمت میں رکھتا ہوں، اس کا عنایت فرما کرضرور خیال رہے گا۔ اور دل پر ملامت بھی نہ لائے گا۔ وہ یہ کہ بسبب رقعہ سابقہ آپ کے فیما بیننا یعنی مولوی عبدالتواب اور میرے درمیان کچھ جہالت وتغیر ہوگیا تھا جس سے دونوں جانب کو تردد تھا۔ چنانچہ اس پر مولوی محمد صاحب اطلاع یاب ہوئے۔ مولوی مذکور نے بعد اطلاع پالی حسبة لله وشفقة بيننا ثالث بالخير ہوکر مصلح ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا ویسا ہی برتاؤ ہوگیا۔ لہٰذا التماس ہے آپ بھی رفقة وشفقة کرکے آئینہ دل ملول کو مصقل کریں اور ملال کو مبدل بدلال فرمائیں۔ راقم کو تحریر امورِ وحشت انگیز سے محفوظ رکھیں۔ عنایت ہوگی۔ والسلام

جملہ پردہ نشینان خورد وکلاں اور احبہ کرام کو سلام مؤرخہ یکم رمضان الراقم الآثم ابوحریز عبدالعزیز از دہلی (۹۴۔MA۔ ۱۲) جواب طلب ضروری، جلدی۔''

یہ خط عصر حاضر کے طلباء کو بار بار پڑھنا چاہیے تاکہ وہ اس سے یہ سبق حاصل کریں کہ ہمیں ہر حالت میں اپنی تعلیم جاری رکھنی چاہیے اور کتب بینی اور ذوقِ مطالعہ کو وسیع کرنا چاہیے جس طرح مولانا عبدالعزیز ملتانی اپنے والد گرامی سے مختلف کتب منگوا کر پڑھا کرتے تھے۔ واللہ الموفق

مسند تدریس پر:

مولانا عبدالعزیز ملتانی رحمہ اللہ دہلی سے تحصیل علم کے بعد اپنے وطن ملتان واپس لوٹے۔ یہاں ان کے والد گرامی مسند تدریس سجائے ہوئے تھے۔ دور دراز سے طلباء علم اپنی علمی پیاس بجھانے میں مصروف تھے۔ مولانا عبدالعزیز بھی اپنے جلیل القدر والد کے ساتھ تدریسی امور میں مشغول ہوگئے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ مولانا موصوف تصنیف وتالیف میں بھی مشغول رہے۔ چنانچہ وہ مولانا محمد حسن کی معروف کتاب ملاحسن کا حاشیہ ''القول العلن'' کے نام سے لکھا۔ ہمارے علم کے مطابق یہ حاشیہ زیورِ طباعت سے محروم رہا۔

وفات:

ابوحریز مولانا عبدالعزیز ملتانی جلد ہی اس دار فانی سے کوچ کرگئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں عین شباب میں اپنے پاس بلا لیا۔ وہ ذات فعال لما یرید ہے چاہے وہ بچپن میں بلا لے، چاہے عین جوانی میں یا عہد کہولت میں بلالے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون ولا نقول إلا بما يرضى به ربنا۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

بلاشبہ ایسی کثیر المطالعہ، معاملہ فہم، وسیع النظر، نرم گو اور متدین شخصیات بہت کم دنیا میں تشریف لاتی ہیں جن کی زندگی کا مقصد گلستانِ علم وادب کی آبیاری، جذبہ عمل بالحدیث اور احیاء سنت نبویہ ہوتا ہے۔

مولانا عبدالعزیز ملتانی اور فتاویٰ نویسی:

فتاویٰ نویسی مولانا موصوف کو ورثہ میں ملی تھی۔ آپ کے والد محترم مولانا سلطان محمو دافغانی کے پاس ہر مذہب کے لوگ فتویٰ طلب کرنے کے لیے رجوع کرتے تھے جنھیں وہ قرآن وحدیث کی رو سے مدلل فتویٰ دیا کرتے تھے۔ گویا مولانا محمود افغانی رحمہ اللہ ملتان شہر کے تسلیم شدہ مفتی تھے۔

مولانا سیّد نذیر حسین محدث دہلوی کے پاس جب مولانا عبدالعزیز تعلیم حاصل کررہے تھے تو دورانِ تعلیم میاں صاحب رحمہ اللہ کے دیگر تلامذہ کی طرح آپ نے بھی فتاوے لکھے۔ مولانا سیّد نذیر حسین محدث دہلوی کی عادت یہ تھی کہ آپ طلباء کو فتویٰ لکھنے کا کہتے، جب طلباء فتویٰ لکھ لیتے تو میاں صاحب رحمہ اللہ مکمل فتویٰ پڑھ کر اس پر دستخط فرما دیتے تھے۔ ہمارے ممدوح مولانا عبدالعزیز ملتانی کے کل چھ فتوے ''فتاویٰ نذیریہ'' میں مطبوع ہیں۔ یہی چھ فتاویٰ اصل سوال جواب کی صورت میں ''جامعہ کمالیہ دارالحدیث راجووال'' کی لائبریری کے حصہ نوادرات میں بھی محفوظ ہیں۔ ذیل میں ہم وہ فتاویٰ جات افادۂ عام کے لیے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کررہے ہیں۔

ا۔ صفاتِ باری تعالیٰ اور عقیدہ اہل سنت والجماعت:

سوال: قرب ومعیت واحاطہ وغیرہ جو صفات باری تعالیٰ ہیں آیا یہ بالذات ہیں، یا بالعلم ہیں؟

جواب: قرب ومعیت وغیرہ صفات میں بہت اختلاف ہے، بعض بالذات مراد لے کر تاویلات کرتے ہیں اور بعض بالعلم لیتے ہیں، لیکن تحقیق مذہب جمہور کا یہ ہے کہ جملہ صفات باری پر بغیر سوال کیف و بلاتشبیہ ایمان لانا چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [شوریٰ: ١١]

''اس کی کوئی مثل نہیں ہے۔''

امام ترمذی لکھتے ہیں:

"قد ثبت الروايات في هذا، ونؤمن بها ولا يتوهم، ولا يقال: كيف؟ هكذا روي عن مالك بن أنس، وسفيان بن عيينة، وعبد الله بن المبارك، أنهم قالوا في هذه الأحاديث: أمّروها بلا كيف، وهكذا قول أهل العلم من أهل السنة والجماعة." كذا في الترمذي.

(جامع ترمذي، رقم الحديث: ٦٦٢)

''اہل علم نے کہا ہے: اس بارے جو بھی روایات ثابت ہیں ہم ان پر ایمان لاتے ہیں۔ ان میں شک اور وہم نہ کیا جائے اور ان کی کیفیت بھی نہ پوچھی جائے۔ مالک بن انس، سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن مبارک ایسے ائمہ سے اسی طرح مروی ہے۔ ان ائمہ نے احادیث صفات کے بارے فرمایا ہے کہ ان صفات کو بلا کیفیت تسلیم کیا جائے۔ اہل سنت والجماعت کے علمائے کرام کا بھی یہی قول ہے۔''

یہ تحقیق مطابق مذہب اہل سنت ہے گو علمائے کرام نے اس میں بہت طوالت کی ہے اور قسم قسم کے رسائل تالیف کیے ہیں۔ لیکن خلاصہ تحقیق محققین یہی ہے اور اسی پر اعتقاد رکھنا چاہیے فقط۔ والله اعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب.

حرره العبد الضعيف الراجي رحمة ربه القوي ابوحريز عبد العزيز الملتانی غفر الله له ولوالديه وأحسن إليهما وإليه.

الجواب صحيح والرأى نجيح

١٢٨١ھ سيد محمد نذير حسين، ١٢٩٩ھ سيد محمد عبد السلام، ١٣٠٥ھ سيد محمد ابوحسن، ابوسعيد محمد حسين ١٣٠٩ھ

(فتاویٰ نذیریہ: ۵/۱)

٢۔ جمع بين الصلاتين:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمع کرنا دونمازوں کا کیسا ہے مثلاً زید اپنے مکان سے بازار کو چلا جو کہ اس کے مکان سے ایک میل یا دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے تو اتنے

فاصلہ کے درمیان نماز کو جمع کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

جواب: ایک میل یا دو میل کی مسافت بالاتفاق ائمہ سفر نہیں ہے، اور اتنے فاصلہ پر بالاتفاق قصر جائز نہیں ہے۔ پس صورت مسئولہ میں اتنے فاصلہ کے درمیان نماز کو جمع کرنا جائز نہیں اور سفر کے علاوہ حضر میں بلا عذر نمازوں کو جمع کرنا درست نہیں۔

علامہ صنعانی رحمہ اللہ نے سبل السلام میں کہا ہے:

"وأما الجمع فی الحضر فقال الشارح بعد ذكر أدلة القائلين بجوازه فيه: إنه ذهب أكثر الأئمة إلى أنه لا يجوز الجمع فی الحضر لما تقدم من الأحاديث المبّينة لأوقات الصلوات ولما تواتر من محافظة النبی ﷺ على أو قاتها حتى قال ابن مسعود: ما رأيت النبي ﷺ صلى صلاة لغير ميقاتها إلا صلاتين جمع بين المغرب والعشاء بجمع وصلى الفجر يومئذ قبل ميقاتها."

''باقی رہا حضر میں نماز جمع کرنے کے بارے میں تو شارح (علامہ مغربی) نے قائلین جواز کے دلائل ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: اکثر ائمہ حضر میں نماز جمع کرنے کے قائل نہیں ہیں ان احادیث کی بنا پر جو اوقات معینہ پر نماز ادا کرنے کو واضح کرتی ہیں اور یہ بھی تواتر سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مزدلفہ کے علاوہ ساری زندگی نماز وقت سے بے وقت نہیں پڑھی۔''

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جس میں یہ بیان ہے کہ مدینہ میں آپ ﷺ نے بارش وخوف کے بغیر نمازوں کو جمع کیا سو یہ حدیث حضر میں نماز کے جمع کرنے کے جواز میں حجت نہیں ہوسکتی۔ اس واسطے کہ اس میں جمع تقدیم یا جمع تاخیر کی تعیین نہیں ہے۔ اور اپنی طرف سے بلا دلیل ایک کو معین کرلینا تحکم (سینہ زوری) ہے۔

صاحب سبل السلام رقم طراز ہیں:

"وأما حديث ابن عباس عند مسلم أنه جمع بين الظهر والعصر والمغرب والعشاء بالمدينة من غير خوف ولا مطر. قيل لابن عباس ما أراد إلى ذلك قال: أراد أن لا يحرج أمته، فلا يصح الاحتجاج به لأنه غير معين لجمع التقديم والتأخير كما هو ظاهر رواية مسلم وتعيين واحد منها تحكم فوجب العدول عنه إلى ما هو واجب من البقاء على العموم في حديث الأوقات للمعذور وغيره وتخصيص المسافر لثبوت المخصص وهذا هو الجواب الحاسم."

''باقی رہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کو مدینہ میں بغیر خوف ومطر کے جمع کیا ہے جب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ تو انھوں نے فرمایا: اس بنا پر کہ امت پر تنگی نہ ہو۔ تو اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ جمع تقدیم وتاخیر کی اس میں تعیین نہیں ہے اور از خود ایک جانب کی تعیین کرنا زبردستی ہے تو حکم اپنے اصل پر رہے گا کہ معذور اور مسافر کو جمع کرنے کی اجازت ہے کیونکہ اس کا مخصص موجود ہے۔''

"وأما ما يروى من الآثار عن الصحابة والتابعين فغير حجة إذ للاجتهاد في ذلك مسرح وقد أول بعضهم حديث ابن عباس بالجمع الصورى واستحسنه القرطبى ورجّحه وجزم به ابن الماجشون والطحاوى وقواه ابن سيد الناس لما أخرجه الشيخان عن عمرو بن دينار۔ راوى الحديث ۔ عن أبى الشعثاء قال: قلت يا أبا الشعثاء أظنه أخر الظهر وعجل العصر وأخر المغرب وعجل العشاء قال: وأنا أظنه. قال ابن سيد الناس:

وراوی الحدیث أدری بالمراد منه من غیره وإن لم یجزم أبو الشعثاء بذلك . وأقول: إنما هو ظن من الراوی والذی یقال فیه: أدری بما روي إنما یجري فی تفسیره للفظ مثلا ، علی أن فی هذه الدعوی نظرا فإن قوله ﷺ (فربّ حامل فقه إلی من هو أفقه منه) یرد عمومها نعم یتعین هذا التأویل فإنه صرح به النسائی في أصول حدیث ابن عباس ولفظه: صلیت مع رسول الله ﷺ بالمدینة ثمانیاً جمعاً وسبعاً جمعاً أخر الظهر وعجل العصر وأخر المغرب وعجل العشاء .

والعجب من النووی کیف ضعف هذا التأویل وغفل عن متن الحدیث المروی والمطلق فی روایة یحمل علی المقید إذا کانا فی قصة واحدة کما فی هذا: والقول بأن قوله: أراد أن لا یحرج أمته . یضعف هذا الجمع الصوری لوجود الحرج فیه مدفوع بأن ذلك أیسر من التوقیت إذ یکفی للصلاتین تأهب واحد وقصد واحد إلی المسجد ووضوء واحد بحسب الأغلب بخلاف الوقتین فالحرج فی هذا الجمع لا شك أخف . " انتهی کلام صاحب السبل والله تعالی أعلم .

''(اس مسئلے کے بارے میں) صحابہ کرام اور تابعین کے آثار حجت نہیں ہیں کیونکہ اس میں اجتہاد کو دخل ہے۔بعض نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو جمع صوری پر محمول کیا ہے۔ اسے قرطبی نے پسندیدہ قرار دے کر راجح قرار دیا ہے۔ ماجشون اور طحاوی نے سے بالجزم صحیح کہا ہے اور ابن سید الناس نے اسے مضبوط قرار دیا ہے۔کیونکہ بخاری ومسلم میں ابوشعثاء سے راویِ حدیث نے کہا: میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کیا ہوگا۔تو ابوشعثاء نے جواب دیا: میرا بھی یہی خیال ہے۔ابن سید الناس نے فرمایا ہے کہ راویِ حدیث حدیث کے مطلب کو بہتر سمجھتا ہے۔اگر چہ ابوشعثاء نے اپنے خیال کو حتمی بیان نہیں کیا لیکن اس دعویٰ میں نظر ہے۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ بہت سے صاحب علم وفقہ ایسے آدمی کے پاس علم لے جاتے ہیں جو اس سے زیادہ سمجھ دار ہوتا ہے۔اس کے عموم کی تردید کرتا ہے۔ہاں یہ تاویل نسائی کی حدیث سے متعین ہوجاتی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات سات اور آٹھ آٹھ نمازیں اکٹھی کرکے پڑھی ہیں۔آپ ﷺ ظہر کو مؤخر کرتے اور عصر کو مقدم کرتے اور مغرب کو مؤخر کرتے اور عشاء کو مقدم کرتے تھے۔اور نووی پر تعجب ہے کہ انھوں نے اس تاویل کو ضعیف قرار دیا ہے اور حدیث مروی کے متن سے غفلت اختیار کی ہے کیونکہ جب واقعہ ایک ہی ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے اور نووی کا یہ کہنا کہ حدیث کے الفاظ کہ آپ کی امت پر تنگی نہ ہو۔ یہ جمع صوری کی تاویل کو ضعیف قرار دیتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جمع صوری میں بھی ایک طرح کی آسانی ہے کیونکہ نماز کی تیاری اور وضو وغیرہ ایک ہی دفعہ کرنا پڑتا ہے، تو بلاشبہ اس میں بھی ایک طرح کی تخفیف ہے۔'' واللہ اعلم

حررہ عبدالعزیز عفی عنہ،سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ: ۱/۴۷۱،۴۷۲)

نوٹ: حضر میں جمع بین الصلاتین کے جواز کی بحث کے لیے ہمارے شیخ حافظ ثناء اللہ خان مدنی حفظہ اللہ کی کتاب جائزۃ الاحوذي: ۱/ ۱۹۴ دیکھیں۔

۳۔سوالات:

اوّل: جو شخص معنی نماز نہیں جانتا، کیا اس کی نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

دوم: سجدۂ تلاوت بے وضو کرنا درست ہے یا نہیں؟
سوم: مسبوق کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا منع ہے؟
چہارم: پنج گانہ نمازوں سے کسی نماز کی اذان ہوئی۔ اذان سن کر ایک شخص واش روم چلا گیا اس کے آنے سے پہلے جماعت ہو چکی ہے، اگر وہ شخص دوبارہ جماعت کرے تو کیا یہ جائز ہے؟ ان سوالات کے جوابات مع دلائل از راہ مہربانی عنایت فرما دیں۔

جوابات:

۱: اس کی نماز ہو جاتی ہے کیونکہ بہت سے عجمی لوگ پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے آپ ان کو صرف نماز سمجھا دیتے تھے اور معنی کا سمجھانا ثابت نہیں۔

۲: سجدۂ تلاوت جمہور کے نزدیک بے وضو درست نہیں ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بے وضو سجدہ کیا کرتے تھے اور مشرکین نے بھی بے وضو سجدہ پیغمبر ﷺ کے پیچھے کیا ہے۔ چنانچہ بخاری میں ہے:

عن ابن عباس أن النبي ﷺ سجد بالنجم وسجد معه المسلمون والمشركون والجن والإنس.

''رسول اللہ ﷺ نے سورہ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور انسانوں نے بھی سجدہ کیا۔''

پس اس حدیث سے جواز سجدۂ تلاوت بے وضو ثابت ہوتا ہے۔

۳: مسبوق کے پیچھے نماز پڑھنی حدیث سے مسکوت عنہ ہے اور اصل مسکوت عنہ میں جواز و اباحت ہے، پس جواز ثابت ہوگا۔

۴: حوائج ضروریہ مثل بول و براز وغیرہما کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اس اثناء میں اگر جماعت اولیٰ فوت ہوگئی تو پھر جماعت سے پڑھنا بے شبہ جائز ہے کیونکہ جماعت ثانیہ کا جواز حدیث سے ثابت ہے اور اکیلے پڑھنے سے جماعت میں زیادہ ثواب و فضیلت ہے۔

عن ابي هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: "صلاة الجماعة تعدل خمسا وعشرين من صلاة الفذ."

''آپ ﷺ نے فرمایا: جماعت کی نماز اکیلے آدمی کی نماز سے پچیس گنا اجر رکھتی ہے۔''

والله اعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب.

حرره العبد الضغيف الراجى رحمة ربه القوى ابوحريز عبدالعزيز الملتانى غفر الله له ولوالديه وأحسن إليهما وإليه.

الجواب صحيح والرأى نجيح. سيد محمد نذير حسين، سيد محمد عبدالسلام غفرله، سيد محمد ابوالحسن، ابوسعيد محمد حسين سنه ١٢٠٩ ھ

(فتاویٰ نذیریہ: ۱/۵۷۰، ۵۷۱)

۴۔ سوال:

اگر کسی مشرک کا جنازہ دفع فتنہ کے واسطے پڑھ لے اور صرف تکبیریں کہے اور دعائیں نہ پڑھیں کیونکہ اگر جنازہ سے انکار کرتا ہے تو لوگ گاؤں سے نکالتے ہیں تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا منع ہے۔ بینوا توجروا

جواب:

نمازِ جنازہ مشرکین مجاہرین کسی صورت جائز نہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ [التوبة: ٢٨]

''بے شک مشرکین ناپاک ہے۔''

مزید فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ [النساء: ١١٦]

''جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں کرے گا اس کے علاوہ جسے چاہے معاف کر دے گا۔''

پس جب مشرک ہرگز مغفور نہیں تو اس کے لیے جنازہ (کہ سراسر استغفار ہے) لغو ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جب منافقین کے جنازہ سے منع کیا ہے تو مشرک کا بہ طریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰى قَبۡرِهٖ﴾ [التوبة: ۸٤]

''اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو نہ اس کی نماز جنازہ پڑھو اور نہ ان کی قبر پر کھڑا ہو۔''

تنبیه: باقی ایسے امور میں انسان کو ڈرنا چاہیے کہ اگر مشرک کا جنازہ وغیرہ نہ پڑھوں گا تو گاؤں سے یا دیارِ شہر سے نکالا جاؤں گا بلکہ دلیر ہو کر جہاں تک ہو اتباعِ سنت کا خیال رکھنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا﴾ [الأحزاب: ۲۱]

''اللہ کے رسول میں اس آدمی کے لیے بہترین نمونہ ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور اللہ کی یاد میں بہ کثرت مشغول رہتا ہو۔''

والله اعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب.

حرره العبد الضغيف الراجی رحمة ربه القوی ابوحريز عبدالعزيز الملتانی غفر الله له ولوالديه وأحسن إليهما وإليه.

الجواب صحيح والرأی نجيح.

سيد محمد نذير حسين ۱۲۸۱ھ، سيد محمد عبدالسلام ۱۲۹۹، سيد محمد ابوالحسن ۱۳۰۵ھ، ابوسعيد محمد حسين ۱۳۰۹ھ (فتاویٰ نذیریہ: ۶۴۶/۱، ۶۴۷)

۵۔سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے سے تین لڑکے چھوڑ کے نکل گیا، دو چار مہینے کے انتظار کے بعد اس کے لڑکوں نے اس کے مال کو آپس میں تقسیم کرلیا، اس تقسیم کے دو برس کے بعد پھر وہ شخص آ گیا اور اس تقسیم سے کچھ بھی ناخوش نہ ہوا، بلکہ اپنی زبان سے بھی کہہ دیا کہ تم لوگوں نے اچھا کیا، پھر چند دنوں کے بعد وہ شخص مکان سے یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ میں پھر نہیں آؤں گا۔لڑکوں نے جو پہلے تقسیم کرلیا وہی تقسیم قائم رہی۔اس شخص کے دوسرے مرتبہ نکل جانے کے دو برس کے بعد اس کا ایک بیٹا انتقال کرگیا۔اب اس متوفی کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور بھائی وغیرہ ہیں۔اب اس کے بھائی لوگ کہتے ہیں کہ اس کی اولاد کو حصہ نہیں ملے گا کیوں کہ شاید ہمارے والد آج تک زندہ ہوں اور اولاد متوفی کہتے ہیں کہ ضرور ملے گا کیونکہ شخص غائب پہلی تقسیم میں راضی تھا اور اپنی زبان سے کہہ بھی دیا تھا کہ تم لوگوں نے اچھا کیا اور معترض نہ ہوا تو گویا اس کی تقسیم کی ہوئی ہے اور غائب کا آج تک پتا نہیں ہے اور جب تقسیم کردیا تو مال میرے باپ کا ہے۔اب آیا متوفی کا ترکہ اس کی اولاد کو پہنچے گا یا نہیں؟ بينوا توجروا.

جواب:

صورت مسئولہ میں متوفی کا ترکہ اس کی اولاد کو ضرور پہنچے گا۔متوفی کا والد خواہ زندہ ہو، خواہ زندہ نہ ہو کیونکہ جب اس کا والد ان لوگوں کی تقسیم سے کچھ بھی ناخوش نہ ہوا، بلکہ اس تقسیم پر اپنی رضامندی ظاہری کی اور یہ کہا کہ تم لوگوں نے اچھا کیا تو گویا اس کے والد نے اپنے مال کو خود تقسیم کرکے اپنے تینوں لڑکوں کو علی السویۃ ہبہ کردیا اور قبضہ بھی کرا دیا۔پس متوفی اپنے حصہ کا مالک تھا اس کے بعد اس کی اولاد کو پہنچے گا اور اس کی اولاد کے علاوہ اس کا کوئی اور بھی وارث ہوگا، وہ بھی پائے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حرره عبدالعزيز عفی عنه، سيد نذير محمد حسين (فتاویٰ نذیریہ: ۲۹۵/۲، ۲۹۶)

۶۔سوال:

چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب:

چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ﴾ [النساء: ۳]

''اور جو عورتیں تم کو پسند ہوں ان سے نکاح کرو، دو دو، تین تین، چار چار۔''

وعن ابن عمر أن غيلان بن سلمة الثقفي أسلم وله عشر نسوة في الجاهلية فأسلمن معه فقال النبي ﷺ: أمسك أربعا وفارق سائرهن. (ترمذي: ۱۱۲۸، شافعي: ۱٦۰٤، ابن ماجه: ۱۹۵۳)

''غیلان ثقفی رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے پاس دس عورتیں تھیں، جو ان کے ساتھ ہی مسلمان ہوئیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان میں سے چار رکھ لو اور باقی سب چھوڑ دو۔''

عن نوفل بن معاوية قال: أسلمت وتحتي خمس نسوة فسألت النبي ﷺ فقال: فارق واحدة وأمسك أربعا. (أخرجه الشافعي: ۱٦۰٦ والبيهقي: ۷/ ۱۸٤)

''نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پانچ عورتیں تھیں، وہ جب مسلمان ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: چار رکھ لو اور ایک کو طلاق دے دو۔''

امام بخاری نے باب باندھ کر اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے: ''چار عورتوں سے زیادہ نکاح نہ کرنے کا باب'' اور چونکہ یہ حدیث ان کی شرائط پر نہ تھی۔ لہٰذا اس کو اپنی کتاب میں درج نہیں کیا۔'' والله اعلم بالصواب

حرره أبو حريز عبدالعزيز الملتانی غفر الله له ولوالديه، سيد محمد نذير حسين.

(فتاویٰ نذیریہ: ۱٦٤/۳)



اعلانِ تعطیلات

عید الفطر 1433ھ کے مبارک موقع پر بہ سلسلہ تعطیلات دفتر الاعتصام 19 تا 24 اگست 2012ء بروز ہفتہ تا جمعۃ المبارک بند رہے گا اور آئندہ شمارہ نمبر 34 جلد 64 مؤرخہ 24 اگست کے بجائے 31 اگست 2012ء کو اشاعت پذیر ہوگا، ان شاءاللہ۔ (ادارہ)



مولانا قاضی رمضان صدیقی کے لیے دعائے صحت

مولانا قاضی محمد رمضان صدیقی خطیب جامع مسجد اہل حدیث محلہ گڑھا منڈی بہاء الدین گزشتہ دنوں عارضہ قلب میں مبتلا ہوئے۔ احباب موصوف کی صحت و عافیت کے لیے دعائے صحت فرمائیں۔ (ادارہ)

عید الفطر مبارک

قارئین ''الاعتصام'' کو

عید الفطر ۱۴۳۳ھ کی خوشیاں مبارک ہوں

تقبل الله منا ومنكم

(ادارہ الاعتصام)

تحدیث نعمت

از مولانا محمد یوسف راجووال

﴿وأما بنعمة ربك فحدث﴾

اللہ تعالیٰ کے مجھ ناچیز پر بے حساب انعامات ہیں لا تعد ولا تحصی.

اولاً: میری اولاد میں بفضلہ تعالیٰ کوئی بے نماز نہیں ہے۔

ثانیاً: بہت بڑا اللہ کا انعام مجھ پر یہ بھی ہے کہ میری اولاد میں سے کوئی بے علم نہیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے کہ سب ذہین ہیں۔ ذہانت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ میرے بیٹے حافظ عبدالرحمٰن نے قرآنِ کریم خود حفظ کیا کسی استاد کے پاس بیٹھ کر یا کلاس میں بیٹھ کر حفظ نہیں کیا اور منزل ما شاء اللہ خوب یاد ہے اور ہر سال نمازِ تراویح میں قرآن سناتے ہیں۔

دارالحدیث راجووال سے دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں بھی تعلیم حاصل کی۔ جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مدینہ یونی ورسٹی مدینہ منورہ میں کلیۃ الحدیث میں داخلہ لیا اور خوب محنت اور شوق سے تعلیم حاصل کی اور ۸۵ ممالک کے طلباء میں اول پوزیشن حاصل کی۔ یہ عظیم خوشخبری مسجد نبوی کے مدرس مولانا محمد شریف صاحب فیصل آبادی نے سنائی اور مبارک باد دی کے آپ کے بیٹے نے نمایاں پوزیشن حاصل کی ہے۔

مدینہ یونی ورسٹی کی طرف سے ذہین طلباء کو مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے کسی دوسرے ملک بھیجنے کا پروگرام طے تھا تو اچانک ملکی حالات خراب ہونے کی بنا پر ایسا نہ ہوکا لیکن ملک میں واپس آکر کئی اداروں میں کام کیا۔ اب پی ایچ ڈی کے ڈگری ہولڈر ہیں۔

حافظ عبدالرحمٰن کئی عربی کتب کے ترجمے کر چکے ہیں جو زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہیں۔ الحمدللہ عربی مشکاۃ کی پہلی جلد کے حواشی بھی لکھ چکے ہیں اور باقی جاری ہے۔ میرے سب سے چھوٹے بیٹے پروفیسر عبید الرحمٰن محسن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بلا کا حافظہ دیا ہے۔ دارالحدیث راجووال سے تعلیم کا آغاز کیا جہاں بھی گئے مقام پایا۔ مثلاً: جامعہ سلفیہ میں دورانِ تعلیم جامعہ بھر میں نمایاں پوزیشن حاصل کرتے رہے۔ مرکز تربیہ فیصل آباد میں بھی ہر سال نمایاں پوزیشن حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے عالمی یونی ورسٹی اسلام آباد میں داخلہ لیا۔ اسلام آباد میں جب تعلیم مکمل کی تو بعض مصری اساتذہ نے مشورہ دیا کہ ہم اپنے اخراجات پر جامعہ ازہر بھیجنا چاہتے ہیں تو میرے لائق ترین بیٹے نے جب مجھ سے مشورہ کیا تو میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ بیٹا ہم تو دارالحدیث کو یونی ورسٹی بنانا چاہتے ہیں تب بیرونِ ملک جانے کا ارادہ تبدیل کیا تو اپنی تعلیم کو مکمل کرنے کے لیے پنجاب یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ اب الحمدللہ پی ایچ ڈی کا مقالہ پیش کر چکے ہیں۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کامیابوں سے ہم کنار فرمائے۔

میرا یہ بیٹا بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے عربی زبان پر مکمل مہارت رکھتا ہے اور ساتھ ساتھ انگلش پر بھی کامل عبور حاصل ہے۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

اللہ تعالیٰ سے ڈھیروں دعاؤں کے بعد اور جماعتی احباب کے مشورہ سے دارالحدیث کی مکمل ذمہ داری اپنے اس چھوٹے بیٹے عبید الرحمٰن محسن کو سونپ دی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کو استقامت عطا فرمائے اور اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے اور دارالحدیث کو تا قیامت آباد اور شاد فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

(عطیہ اشتہار یکے از قدر دان دارالحدیث)